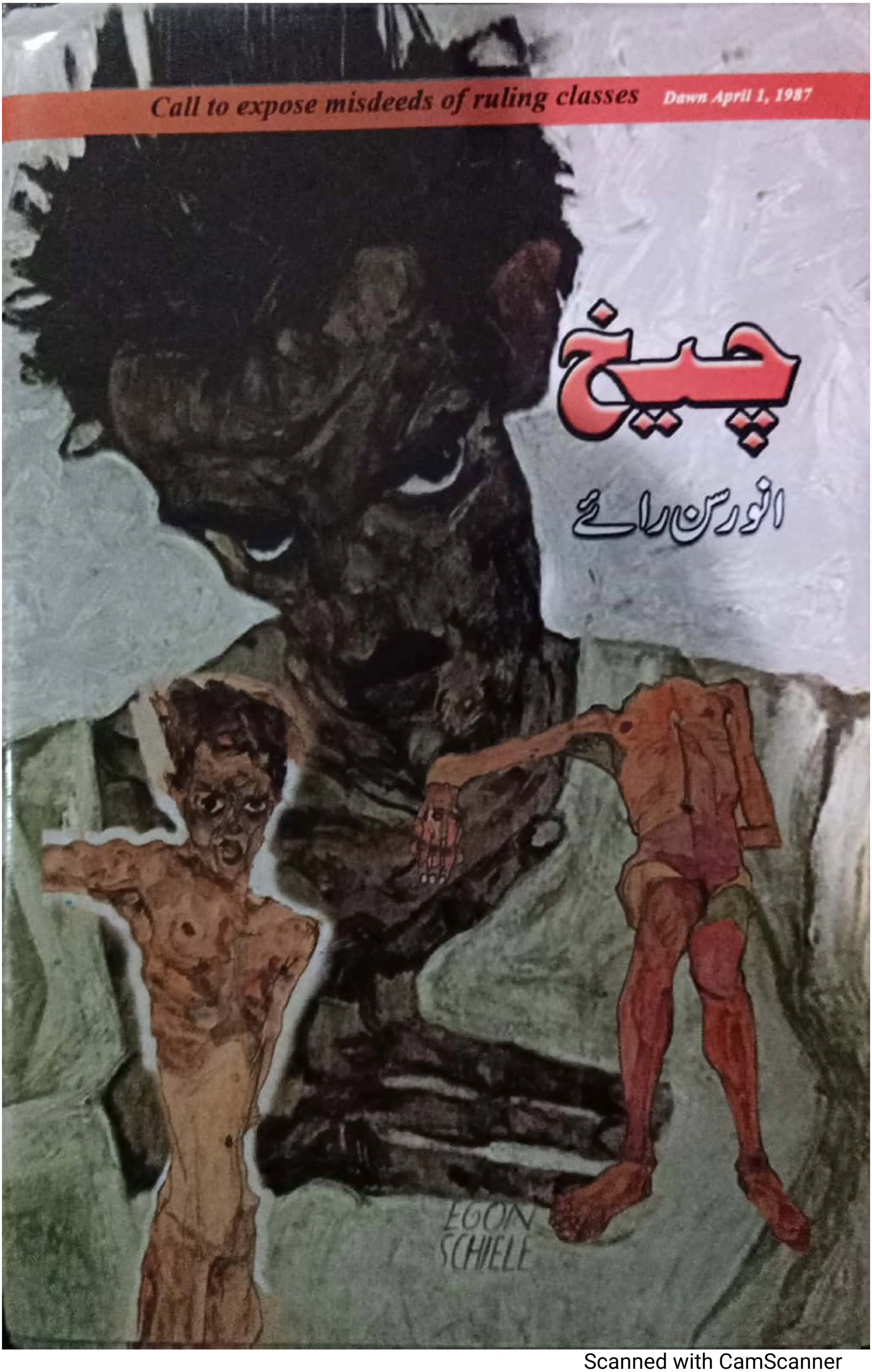

Scanned with CamScanner

چیخ

انور سن رائے

علم و ادب پبلشر اینڈ بک سیلر کراچی

Scanned with CamScanner

اس ناول کے تمام کردار، مقامات، واقعات اور ادارے فرضی ہیں اور ان کا کسی شخص، جگہ یا واقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے، کسی فرد، مقام یا ادارے سے مطابقت اتفاقیہ ہوگی اور اس کیلئے مصنف یا پبلشرز کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام	:	چیخ
مصنف	:	انور سن رائے
ٹائیٹل	:	Egon Schiele Austrian painter
تاریخ اشاعت اول	:	مارچ 1987ء
تاریخ اشاعت چہارم	:	ستمبر 2018
تعداد	:	500
پبلشرز	:	علم وادب پبلشر اینڈ بک سیلر
قیمت	:	-/400

علم وادب پبلشر اینڈ بک سیلر

دکان نمبر 311 تھرڈ فلور بک مال اردو بازار کراچی

رابطہ نمبر 0335-2620640/03312952483

www.facebook.com/ilmoadbpublisher

Scanned with CamScanner

امی اور خیر پور ٹامے والی کے نام

When a dictatorship is imposed on your country the very first thing you feel the very first day and it is a feeling that has a totally spontaneous immediacy free from all mentall elaboration the first feeling is humiliation.you are being deprived of the right to consider yourself worthy of responsibility for your own life and destiny.this felling of humiliation grows day by day as a result of the oppressor,s unceasing effort to force your mind to accept all the vulgarity which makes up the abortive mental world of dictators.you feel as if your reason and your human status were being deeply insulted every day and then comes the attempt to impose on you by fear acceptance of various barborous action of theirs that you hear about or that you actually see them commit against your fellow human beings.you begain to live with the daily humilitation of fear and you being to loathe yourself.and then deeply wounded in your conscience as a citizen you being to feel a solidairty with the people to whom you belong.

George Mangakis Quoted by Wole Soyinka,,

Scanned with CamScanner

گاڑی چلی جارہی تھی اور میں سوچ رہا تھا اپنی نئی منزل کے بارے میں اُس شخص کے بارے میں جس نے خود کو مرکزی حکومت کا ڈپٹی سیکرٹری بتایا تھا اور مجھے بڑی فراخدلانہ پیشکش کی تھی اور جو اس پیش کش کے بارے میں میرا جواب لینے کے لئے آنے والا تھا، لیکن اس اچانک سفر نے ، ایک بار پھر، شروع سے اب تک کی ہر بات کو مشکوک بنادیا تھا، یوں بھی اب تک جو کچھ ہوا تھا، اس میں کوئی منطق تو تھی نہیں بس کچھ بے جوڑ ٹکڑے تھے جنہیں جوڑ کر بھی کوئی واضح یا غیر واضح نتیجہ نکالنا ممکن نہیں تھا، ہر بات اچانک شروع ہو کر اچانک ختم ہو رہی تھی اور میں اچانک کے اس شکنجے کا ایک انتہائی ادنا شکار تھا جس کا بنیادی اصول شکار کو ہر بات سے بے خبر رکھنا تھا، چاہے وہ اس سے متعلق ہو یا نہ ہو۔

ہماری مسافت طویل تھی، کیوں کہ راستے میں ہماری سواری کئی جگہ رُکی، لیکن جب مجھے اُتارا گیا تو گاڑی ایک کشادہ سبزہ زار کے تقریباً وسط میں اس طرح کھڑی تھی کہ اُس کے سامنے بیرونی دروازہ اور پیچھے سُرخ کھپریلوں والا برآمدہ تھا جو اُجلے دن کی وجہ سے بڑا خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ اس برآمدے میں کئی دروازے تھے، لیکن ایک دروازے کے سوا، جس پر بھاری پردہ پڑا ہوا تھا، اور جس کے سامنے سنگین لگی بندوق سے مسلح سنتری کھڑا تھا، سارے دروازے بند تھے۔ مجھے اسی کمرے میں لے جایا گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی انگریزی کے حرف "ایل" جیسی ایک میز اپنی

چمکدار سطح کے باعث سب سے پہلے توجہ کا مرکز بنتی تھی اور پھر دیوار کے ساتھ ساتھ رکھے ہوئے لکڑی کے بینچ، پرانی ساخت کا ٹائپ رائٹر، خاکی رنگ کی فائلیں اور غیر شہری چہروں والے دو کلرک۔ مجھے کمرے کے ایک کونے میں بٹھانے کے بعد، مجھے لانے والوں میں سے ایک، بڑی دھیمی آواز میں، اُن میں سے ایک کلرک سے گفتگو کر رہا تھا گفتگو کے بعد اُس نے خاکی رنگ کی ایک فائل کلرک کے حوالے کی، جسے لے کر وہ اندر کھلنے والے دروازے میں داخل ہو گیا۔

"تم لوگوں نے دیر کر دی ہے لیکن خیر" کچھ دیر بعد کلرک کے ساتھ آنے والے لیفٹیننٹ نے ناگواری سے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھے لانے والوں سے کہا

"سر۔۔۔وہ"

" کوئی بات نہیں۔۔۔کیا نام ہے تمھارا؟'' لیفٹیننٹ نے اُن میں سے ایک کو جو غالباً تاخیر کا عذر پیش کرنا چاہتا تھا، کوئی موقع دیے بغیر مجھ سے پوچھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنا نام بتاتا، اُسی شخص نے، جسنے صفائی پیش کرنے کی ناکام کوشش کی تھی اُسے میرے نام سے آگاہ کر دیا۔

"غلام۔۔۔اچھا۔۔۔اسکی ہتھکڑیاں کھول دو۔۔۔تھوڑی دیر لگے گی ۔۔۔اچھا۔'' یہ کہتا ہوا واپس اندرونی دروازے میں داخل ہو گیا۔

میرے ہاتھ کھول دیے گئے اور اس کے تھوڑی دیر بعد مجھے لانے والے کلرک سے اجازت لے کر چائے وغیرہ پینے چلے گئے لیکن اُن کے جاتے ہی سنتری

اندر آن کھڑا ہوا۔

" کہاں کے ہو؟" تھوڑی دیر بعد کلرک نے پوچھا۔

" کراچی کا۔'' میں نے جواب دیا۔

"اچھا۔'' اس نے ناگواری سے کہا اور اپنے دائیں ہاتھ رکھی ہوئی فائلوں میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کمرے میں لگی ہوئی گھنٹی بجی وہ ایک بار پھر اندرونی دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس طرح کوئی تین بار وہ گھنٹی بجتی رہی اور وہ اندرونی حصے میں جاتا اور آتا رہا' اس کے بعد میرا بلاوا بھی آ گیا۔

مجھے اندر لے جانے کی ذمے داری سنتری کے سر ڈالی گئی۔ اندرونی دروازہ ایک نیم تاریک' سرد اور بمشکل چھے فٹ چوڑی راہداری میں کھلتا تھا۔ ہر چند کہ میں سنتری کے آگے بہت دیر تک چلتا رہا' لیکن اس دوران مجھے ہر لمحہ یہ محسوس ہوتا رہا کہ چند قدم اور چلنے کے بعد یہ راہداری بند ہو جائے گی دیواریں سمٹنا شروع کر دیں گی اور چھت بیٹھ جائے گی۔ مجھے اپنے ننگے پاؤں تلے' دبیز قالین' قدموں کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف سرکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ویسے بھی قالین کی سرد اور نرم سطح پاؤں اُٹھانا دشوار کر رہی تھی اور اس کے باوجود کہ ایک سنگین بردار نگران کے ساتھ چلتے ہوئے اس قسم کی خواہشیں زیادہ دیر تک دل میں نہیں ٹھہرتیں میں پاؤں گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا۔

راہداری کے آخر پر ایک منقش دروازہ تھا اور اس دروازے کے آگے

Scanned with CamScanner

رہاداری جیسا ایک نیم تاریک اور سرد کمرہ اور اس کمرے میں ایک اور سنگین بردار سنتری پہلے سنتری نے مجھے اس سنتری کے حوالے کیا اور واپس پلٹ گیا۔

"دوسرے سنتری نے آگے والا دروازہ کھولا اور مجھے پہلے سے زیادہ سرد اور تاریک کمرے میں دھکیل دیا۔ بہت جلد میری آنکھیں نئی تاریکی سے بھی مانوس ہوگئیں۔اسے کمرہ کہنا زیادتی ہوگی وہ تو اچھا خاصا دربار تھا کشادہ اور آراستہ صرف اس کٹہرے کی موجودگی غیر ضروری تھی جو عدالتی کٹہروں سے مختلف، صاف ستھرا، چمکدار، میرے پیٹ تک بلند اور داخلی روازے کے بعد مجھے اپنے حصار میں لے کھڑا تھا۔کسی جادو گھر کی طرح دربار مجھ پر آہستہ آہستہ منکشف ہو رہا تھا۔کٹہرے کے علاوہ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک، پورے فرش پر، گہرا سُرخ قالین بچھا ہوا تھا۔کٹہرے کے بالکل سامنے میرے قد کے برابر اُونچا اسٹیج دائیں سے بائیں دیوار تک پھیلا ہوا تھا اور اس پر اُتنی ہی لمبی ایک میز رکھی تھی، جس پر قالین کے رنگ کا سُرخ بلیز ربچھا ہوا تھا۔ میز کے پیچھے ایک دوسرے سے معمولی فاصلے پر رکھی کرسیوں کی منقش ٹیک دکھائی دے رہی تھی۔میز کے دائیں اختتام پر ایک اور میز اور ایک عام سی کرسی کے ساتھ ذرا سے فاصلے پر ایک روسٹرم دکھائی دے رہا تھا۔

روسٹرم پر سامنے کی طرف وسط میں بنے ایک دائرے میں سیاہ اور سنہرا رنگ چمک رہا تھا، جس نے آہستہ آہستہ طویل فاصلے کے باوجود، بڑی میز پر کندہ اور نمایاں دکھائی دیتے ہوئے، سنہری سینگوں والے سیاہ بکرے کے سر کی شکل اختیار کر لی۔

کمرے کی چھت بہت اُونچی تھی، چھت کیا تھی، ستاروں بھرے آسمان کا ایک ٹکڑا تھا اور کمرے میں جتنی روشنی تھی انہیں ستاروں سے پھوٹ رہی تھی مجھے کمرے میں دھکیلے جانے کے بعد دروازہ بند کرلیا گیا تھا اور اب میں وہاں اکیلا تھا اور اس جادو گھر کو اچھی طرح دیکھنے کے سوا میرے پاس کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ یقیناً معمولی سے ردوبدل کے بعد اس کمرے کو جسے میری اور کٹہرے کی موجودگی ایک شاہی عدالت بنا رہی تھی، کسی رئیس یا وسیع الاختیار حکمران کے عشرت کدے میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔

مجھے اس سے پہلے کسی عدالت میں حاضر ہونے کا تجربہ نہیں تھا۔لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب ذات ہی نہ ہو تو ذاتی نوعیت کے تجربات کی کیا اہمیت۔ لیکن اس کے باوجود میں بہت ساری عدالتوں سے واقف رہا ہوں، قدیم قبائلی عدالتیں سرداری اور جاگیرداری عدالتیں اور انگریزی فلموں میں دکھائی جانے اور انصاف تک رسائی کا دھوکہ دینے والی ہر ساخت اور ہر زمانے کی عدالتوں تک رسائی ممکن ہوگئی ہے، لیکن اس عدالت جیسی کوئی عدالت میں نے اب تک نہیں دیکھی، غالباً یہ سرسری سماعت کی خصوصی عدالت ہے، یہ عدالت انصاف تک رسائی میں دوسری عدالتوں سے مختلف ہوگی، یقیناً۔

میں سوچ رہا تھا: ڈرامے کا کوئی بھی آدمی کمرے کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں بڑی آسانی سے بتا دے گا کہ اسٹیج پوری طرح تیار ہے صرف پردہ اُٹھنے کی دیر ہے۔ ابھی میں نے اتنا ہی سوچا تھا کہ چھوٹی میز کے پیچھے لگے ہوئے پردے میں حرکت ہوئی

Scanned with CamScanner

اور ایک طویل قامت شخص، میری موجودگی سے بے نیاز، آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز تک آیا اور میز پر رکھی ہوئی فائلوں کو دیکھنے لگا، پھر فائلیں اُٹھائیں اور بڑی میز کی طرف آ گیا، شاید چھوٹی میز اور بڑی میز کے درمیان آنے جانے کے لئے کوئی راستہ بھی تھا، جو کٹہرے میں کھڑے ہوئے شخص کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بڑی میز کے بعد اُس نے ایک فائل روسٹرم پر بھی رکھی اور پھر چھوٹی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اُس کے خاموشی عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ شاید یہ اس کی عدم توجہ تھی جسے میں اپنے خون کے ساتھ پورے جسم میں دوڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

اب وہ روسٹرم کے سامنے اس طرح کھڑا تھا کہ اگر میں اُسے تھوڑی دیر پہلے، خود اپنی آنکھوں سے چلتے اور حرکت کرتے ہوئے نہ دیکھ چکا ہوتا تو اُسے روسٹرم کے سامنے رکھا ہوا مجسمہ ہی تصور کرتا۔ روسٹرم کے سامنے اس طرح کھڑے ہوئے ابھی اُسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ بڑی میز کے عقبی پردے میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور تین نصف دائرے ایک ساتھ کرسیوں کے درمیانی فاصلے میں نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے تین مختلف چہروں میں تبدیل ہو گئے۔ دائیں جانب کے چہرے پر لگے ہوئے سر کا درمانی حصہ بالکل صاف اور چمکدار تھا، درمیانی سر پر کنپٹیوں تک کٹے ہوئے بال بڑی ترتیب سے جمے ہوئے تھے اور آخری سر گھنگھریالے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے دو چہرے صحتمند گردنوں پر اور دائیں جانب کا سر قدرے کمزور گردن پر ٹکا ہوا تھا۔ اس کے باوجود تینوں چہرے یکساں خوشحالی کا مظہر تھے، اُن میں

سے دو نے خاکی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ جن پر لگے ہوئے نشان درمیانی شخص کو کرنل اور بائیں جانب والے کو میجر ظاہر کر رہے تھے جبکہ دائیں جانب والا شخص سفید قمیض پر سنہری پٹی والا سبز گاؤن پہنے ہوئے تھا۔ تینوں نے کرسیوں پر بیٹھتے ہی عینکیں نکالیں، صاف کیں اور ناک پر اس طرح ٹکا لیں کہ اگر وہ چاہتے تو مجھے ان عینکوں کے اُوپر سے بھی بہ آسانی دیکھ سکتے تھے لیکن اس وقت تو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کا مطالعہ کر رہے ہوں، مجھ پر انہوں نے ایک سرسری نگاہ ڈالنا بھی ضروری نہ سمجھا، لیکن تھوڑی دیر بعد کرنل کے اشارے پر روسٹرم کے سامنے کھڑے ہوئے مجسمے میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے اور اُس نے بولنا شروع کیا۔

ملزم غلام ولد غلامو۔۔۔" روسٹرم کے سامنے کھڑے ہوئے شخص نے صاف سنی جا سکنے والی سرگوشی کے انداز میں میرا نام لیا، اس کے بعد غالباً اس نے میرا پتا دُہرایا ہوگا۔ لیکن میں اس سے آگے اُس کی آواز نہیں سُن سکا۔۔۔ اب تک جو کچھ میرے ساتھ ہوا تھا۔ اُس کے بعد کسی آواز کا بہت زور سے سنائی دینا یا سنائی ہی نہ دینا دونوں باتیں یکساں طور پر ممکن تھیں۔ ضروری نہیں تھا کہ میں اس کا الزام صرف اس پر رکھتا جس نے ابھی مجھے اُس نام سے پکارا تھا، جس نے میری زندگی کو اُوپر سے نیچے کی طرف پلٹ دیا تھا اس لئے میں نے اپنی پوری توجہ اُس کے ہونٹوں کی طرف مبذول کر رہی۔ ممکن ہے وہ اُن لوگوں میں سے ہو جو جملے کا آغاز تو بڑی قوت سے کرتے ہیں لیکن جملے کے آخر تک آتے آتے اُن کی آواز محض حرکت کرتے ہونٹوں کا اشارہ بن کر

Scanned with CamScanner

رہ جاتی ہے۔ میں ایسے کئی لوگوں سے مل چکا تھا۔ دوسری بہت سی باتوں کی طرح بولنے کا انداز بھی طرز زندگی کا اظہار ہوتا ہے اب اس شخص ہی کو لے لیں، غالبا وہ اس عدالت میں پیشکار کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ جس طرح اُس نے میرے نام اور ولدیت سے جملے کا آغاز کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر کام کو بڑی توانائی سے شروع کرتا ہے لیکن اُسے تکمیل تک پہنچاتے پہنچاتے اسے اتنی دشواریاں پیش آتی ہیں کہ کام مکمل ہوتے ہوئے بھی نامکمل ہی رہتا ہے۔

اس وقت ضرور اسے کوئی ایسی دستاویز پڑھنے کا فرض سونپا گیا ہے، جس کا مجھ سے اور میری زندگی سے گہرا تعلق ہے، لیکن اس شخص کا طرز زندگی میرے آڑے آ گیا ہے اور اپنے نام سے آگے ایک لفظ سننا بھی میرے لئے ممکن نہیں رہا کیا وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے؟ یقیناً نہیں، وہ مکمل طور پر ایک لاتعلق آدمی دکھائی دیتا ہے۔ اُس نے تو میری طرف دیکھنے تک کی ضرورت محسوس نہیں کی، ہر چند کہ یہ بات صریحاً خلاف فطرت ہے بھلا ایک کمرے میں موجود دو آدمی، اتنی دیر تک، ایک دوسرے پر نظر ڈالے بغیر کس طرح رہ سکتے ہیں، جتنی دیر تک وہ اور میں اس عدالتی کمرے میں اکیلے رہے ہیں۔ یقیناً یہ آدمی اس حد تک لاتعلق ہے کہ اسے مجھ سے تو کیا، انسانی فطرت اور اس کے تقاضوں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔

وہ یقیناً اُن لوگوں میں سے ہے جو ہر حال میں اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اس مشینی انداز کے باوجود جس کا مظاہرہ اُس نے شروع سے اب تک کیا ہے، اُسے

پورا یقین ہو گا کہ وہ اپنے فرائض پوری دیانتداری اور مکمل احتیاط سے ادا کر رہا ہے۔ مسلسل اُوپر سے نیچے کی طرف حرکت کرتے ہوئے اس کے کان، آگے اور پیچھے کی جانب پھیلتی اور سکڑتی جبڑوں کی ہڈیاں، پپوٹوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ، بار بار ہونٹوں کو تر کرتی ہوئی زبان، اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی تساہل یا غیر ذمے داری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کی تمام تر کوشش کے باوجود، مجھ سے متعلق اس دستاویز کا ایک بھی لفظ مجھ تک نہیں پہنچ رہا۔ ہر چند کہ مجھے اس دستاویز کے ایک ایک لفظ اور اس کی ادائیگی کے تمام تر جزئیات سے واقف ہونا چاہئے ممکن ہے یہ دستاویز سماعت کے لے عدالت کو دیئے گئے اختیارات سے متعلق ہو یا پھر اسے مجھ پر لگائے گئے الزامات سے مرتب کیا گیا ہو دونوں صورتوں میں عدالت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس دستایز کی مجھ تک رسائی، یعنی اس کے پڑھے جانے کی آواز کو مجھ تک پہنچانا ممکن بنائے۔ ہر عدالت میں ملزم کو۔ اپنے بارے میں تمام الزامات سے واقف ہونے کا پورا حق ہوتا ہے۔ ہر چند کہ ہمارے ہاں بنیادی حقوق کو معطل ہوئے ایک زمانہ ہو چکا ہے، لیکن ایک انسان کو چاہیے وہ سرسری سماعت کو عدالت میں حاضر ایک ملزم ہی کیوں نہ ہو، اس بات پر کیسے آمادہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ صدیوں کی۔ ردوکد سے ذرہ ذرہ وراثت ہونے والے اس حق سے محض اس لئے لاتعلق ہو جائے کہ اُسے مسترد کرنے کے لئے ایک شخص نے فرمان جاری کر دیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ رات کو آپ اطمینان سے سوئیں اور صبح کو آپ کے دروازے پر

Scanned with CamScanner

دستک ہواور ایک شخص آپ کو بتائے کہ حکومت تبدیل ہو چکی آپ اس پر ضرور حیران ہوں گے، لیکن بہت زیادہ نہیں، کیوں کہ بہت سے ملکوں میں مسلح افواج کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک میں سب سے زیادہ منظم پارٹی ہیں، اس لئے اقتدار اُن کے ہاتھوں میں رہنا چاہیے لیکن خیر ابھی آپ کی یہ حیرت ہی ختم ہوئی ہوگی کہ آپ کو بتایا جائے گا کہ آپ کی زندگی بھی تبدیل ہو چکی ہے اور یہ رہا آپ کا نیا نظامِ زندگی، لیجئے اور شروع ہو جایئے اور آپ نئے نظام کی عظمت کے ترانے گاتے ہوئے شروع ہو جائیں۔

اس پیش کار ہی کو دیکھ لیں، اصلاح اور تزکیہ نفس کی اس تاریخ ساز تبدیلی کا حصہ ہونے کے باوجود، اُس نے تبدیلی کے اس عمل کو قبول نہیں کیا اور اب بھی وہ پوری کوشش کر رہا ہے کہ اُس کی آواز مجھ تک پہنچ جائے شاید اسے علم نہیں کہ سرسری سماعت کی اس خصوصی عدالت میں اگر فردِ جُرم کے پڑھے جانے کی آواز مجھ تک نہیں پہنچے گی یا مجھے الزامات سے آگاہ کئے بغیر کوئی کارروائی کر دی جائے گی تو۔۔۔تو بھی میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہو گا کہ اس عدالت کے انصاف کو وہ جیسا بھی ہو، قبول کر لوں۔۔۔ممکن ہے وہ سوچ رہا ہو کہ میں اس بات پر اعتراض کروں گا لیکن اگر فردِ جرم کا ملزم تک نہ پہنچنا، اس نئے نظام میں انصاف فراہم کرنے کی حکمتِ عملی کا ایک حصہ ہے تو وسیع تر اختیارات رکھنے والی یہ عدالت میرے اعتراض کا نوٹس لینے کے باوجود کیا کر سکے گی؟ یوں بھی ایک ایسی عدالت سے انصاف کی توقع کرنا فضول ہی ہے جو مصنف بھی ہے اور مدعی بھی کیوں کہ آج دنیا میں رائج نظاموں میں سے ہر

ایک کی تمام تر انصاف پرستی اور فراخدلی کے باوجود ایک مدعی خود کو مدعا علیہ کے مساوی نہیں سمجھ سکتا۔ گویا میری تقدیر اب اس کے سوا کچھ نہیں کہ بغاوت کے الزام سے بچنے کے لئے انصاف کے نام پر، اس عدالت کے فیصلے من وعن قبول کر لوں، پُر امن شہری ہونے اور قانون کے نفاذ کو قبول کرنے کا صرف ایک یہی راستہ باقی رہ گیا ہے لیکن اس وقت تو میں ایک عدالت میں ہوں اور ایک ملزم ہونے کی حیثیت سے مجھ پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ میں فردِ جرم کے بارے، ممکن حد تک، زیادہ زیادہ جان سکوں اور بنیادی حقوق کے معطل ہونے کے باوجود، فرد جُرم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لئے پیش کار سے قریب ہونے، اتنا قریب ہونے کی کوشش کروں کہ اُس کی آواز مجھ تک پہنچنے لگے، لیکن اس سے پہلے کہ میرا جسم کٹہرے کے باہر آئے اور میرے پنجے دبیز قالین کی سطح کو چھوڑنے لگیں مجھے منصفوں سے فریاد کرنی چاہیے انہیں اس بات سے آگاہ کرنا چاہیے کہ فردِ جرم کے پڑھے جانے کی آواز مجھ تک نہیں پہنچ رہی بلاشبہ اس کے بغیر مجھ پر لگائے گئے الزامات میں ایک اور الزام کا ایک ناقابلِ تردید الزام کا اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن اس دوران جب میں فردِ جرم کو سننے کی کوشش کر رہا تھا، میں نے اس بات کی قطعی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی کہ منصفوں کی طرف بھی توجہ دوں میری اس غفلت نے ایک نئی مشکل پیدا کر دی ہے اب مجھے اپنی فریاد اس طرح کرنی ہوگی کہ سوئے ہوئے منصف بیدار بھی ہو جائیں اور انہیں میری فریاد ناگوار بھی نہ گزرے۔

"جناب عالی!۔۔۔۔آپ انصاف کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں، میں ایک

Scanned with CamScanner

ادنا ملزم اپنی تمام عدم توجہ اور غفلت کے اعتراف کے ساتھ، آپ سے معمولی سی توجہ کی گزارش کرتا ہوں، آپ کی مسلسل نیند مجھے ایک نئی ناانصافی کا شکار بنا سکتی ہے، خدا کے لئے صرف ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھ لیجئے آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا، میں آپ کے آرام میں خلل اندازی کے لئے معذرت خواہ ہوں، لیکن اب میرے پاس آپ سے فریاد کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، کیوں کہ پیش کار کی تمام تر کوشش کے باوجود فردِ جرم کا ایک بھی لفظ مجھے سُنائی میں دیا۔ اس صورت میں اگر آپ مجھے صفائی کا موقع دیں گے اور ظاہر ہے ضرور دیں گے، تو میں اپنے بارے میں کیا صفائی پیش کر سکوں گا؟ جناب مجھے پورا علم ہے کہ یہ ایک غیر معمولی عدالت، سرسری سماعت کی ایک خصوصی عدالت لیکن بہر صورت یہ ایک عدالت ہے اور اس حوالے سے، اس کے بھی کچھ نہ کچھ اصول ضرور ہوں گے۔ میں ان اصولوں کا پورا احترام کرتے ہوئے جن کے بارے میں اب تک مجھے کچھ علم نہیں، آپ سے صرف چند لمحوں کی زحمت کے لئے درخواست کرتا ہوں صرف ایک بار اس پیشکار کی طرف دیکھیں، آپ پوری بات از خود سمجھ جائیں گے۔ پوری بات کو سمجھانے کے لئے آپ میں سے کسی ایک کا صرف ایک بار آنکھ کھولنا، محض پلک جھپکنا بھی کافی ہوگا"۔

میں پوری قوت سے چیخنے لگا۔ جناب صرف ایک بار، صرف ایک بار، لیکن میری آواز معزز منصفوں کو بیدار نہ کر سکی۔

منصف سو رہے تھے اور فردِ جرم کے صفحات پلٹ رہے تھے اور میرے پاس

اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں بہر صورت پیش کار تک رسائی کی کوشش کروں ایک ملزم جس تک فردِ جرم کے پڑھے جانے کی آواز نہ پہنچ رہی، جس کی فریاد سوئے ہوئے منصفوں کو بیدار کرنے میں ناکام ہو چکی ہو، اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے کہ خود کو مکن حد تک فردِ جُرم سے قریب لے جانے کی پوری کوشش کرے۔ ایک انجانی قوت کے زیرِ اثر میرے پنجے دبیز قالین کی سطح کو چھوڑنے لگے، میرا جسم، مٹی کے ایک بے وزن ذرے کی طرح کٹہرے کے حصار سے بلند ہونے اور اُڑنے لگا۔ فردِ جرم کی بے پناہ کشش مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی۔ پیش کار کی توجہ اور انہما فردِ جرم کے پلٹتے ہوئے صفحات میں ہو لمحے ایک نئی اہمیت کا اضافہ کر رہے تھے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا، منصف ہوئے ہوئے تھے فضا میں تیرتا ہوا ملزم بڑی تیزی سے فردِ جرم کی طرف کھینچ رہا تھا سیدھے، صاف اور مکمل انصاف نے منصفوں تک فریاد کی رسائی کو ناممکن بنا دیا تھا۔ اُمید کا واحد سہارا پیش کار کی ذات تھی، جس کے سامنے فردِ جرم کے پلٹتے ہوئے صفحات تھے اور ان تک براہِ راست رسائی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ حالات اور ماحول کی مکمل ناسازگاری نے اُمید کا ایک نیا پہلو اجاگر کیا تھا، زندگی نے پہلی بار مجھے خوش نصیبی کا چہرہ دکھایا تھا۔ عدالت کے اس سرد اور تاریک کمرے میں، جہاں منصف سو رہے تھے، پیش کار پوری توجہ اور انہماک سے فردِ جرم پڑھ رہا تھا، ایک ملزم کو، جواب تک حاضری کے سوا، عدالت کی کسی کاروائی میں شریک نہیں ہو سکا تھا، یہ حق خود بخود حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اپنے بارے میں تیار کئے

Scanned with CamScanner

جانے والے الزامات کو جاننے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ یوں بھی ایک ایسی زندگی کا جسے مکمل طور پر غیر ضروری بنا دیا گیا ہو، اس کے سوا اور کیا مصرف ہو سکتا ہے کہ اُسے بچانے کے لئے خود اُسے ہی داؤ پر لگا دیا جائے۔

تمام باتوں سے بے خبر، پیش کار اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری توجہ اور انہماک سے مصروف ہے۔ اُوپر نیچے حرکت کرتے ہوئے اس کے کان، دائیں اور بائیں پھیلتے اور سکڑتے ہوئے اُس کے جبڑے، پپوٹوں کی مسلسل حرکت کے ساتھ ساتھ، بار بار تیزی سے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں کو اور تیزی سے تر کرنے کے لئے رینگتی ہوئی زبان، احساس ذمے داری کے بارے میں اس پیش کار کے رویہ پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں آگے بڑھ رہا تھا، مسلسل آگے کی طرف۔ اب قدموں کو، مٹی کے اُڑتے ہوئے اس ذرے کو، کسی رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے باوجود ایک مدت لگ گئی، ایک طویل عرصہ گزر گیا، بظاہر بہت کم دکھائی دینے والا فاصلہ پھیلتا چلا جا رہا تھا، "شاید پیش کار تک رسائی ممکن نہ ہو" مسلسل پرواز کرتے ہوئے میں نے کئی بار سوچا۔ کئی بار چاہا کہ اس ساکت اور مسلسل پھیلتے ہوئے خلا ہی میں تحلیل ہو جاؤں، یا واپس کٹہرے میں پلٹ جاؤں، لیکن ان حالات میں کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔

آخر کار فردِ جرم نے مجھے کھینچ لیا۔ میں اس پیشکار کے سامنے رکھے روسٹرم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، عین اُس کے قدموں کے برابر، لیکن اُس کی آواز، مجھے

پھر بھی سنائی نہیں دی۔۔۔ میں اور قریب ہو گیا، روسٹرم کے نیچے میرا سر پیشکار کے قدموں کو چھونے لگا، مجھے پلٹتے ہوئے صفحات کی سرسراہٹ سنائی دینے لگی، لیکن فرد جرم پڑھے جانے کی آواز مجھے اب بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

پیش کار کے بالکل برابر پہنچنے اور اپنی حدود سے مکمل تجاوز کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں اور بلند ہوا، اور بلند ہوا اور روسٹرم کے پیچھے کھڑے پیش کار تک پہنچ گیا، بالکل فرد جرم پر جھک گیا۔ کیوں کہ صفحات کے پلٹنے کے سوا مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، میں نے فردِ جرم کے صفحات کو بار بار آنکھیں مَل کر دیکھا، یہاں تک کہ ایک بار تو انہیں چُھو بھی لیا لیکن میں آپ کو کیسے بتاؤں وہ مکمل طور پر بے تحریر تھے، بالکل سادہ اس کے باوجود کہ پیش کار پوری توجہ اور انہماک سے ہر صفحے کو پڑھ رہا تھا۔

ممکن ہے فردِ جرم کو اس طرح تیار کیا گیا ہو کہ ایک ملزم اُس کے قریب پہنچ کر بھی اُس کے بارے میں کچھ نہ جان سکے اور صرف ایک پیشکار ہی کو علم ہو کہ فردِ جُرم کن الزامات سے آراستہ ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک انوکھی بات ہے، پورے نظام کو اس طرح بنا دیا جانا کہ اپنی حدود سے تجاوز کرنے کے باوجود بھی کوئی کچھ نہ حاصل کر سکے لیکن اتنے سفر کے بعد میں اس بات کو کیسے قبول کر لوں۔

ایک پیش کار کی ذات ہے جو اب بھی میری مدد کر سکتی ہے۔ میں اپنا سر اُس کے قدموں میں رکھ دیتا ہوں اور پوری آہ و زاری سے فریاد کرتا ہوں، اتنی آہ و زاری سے جتنی ایک سچا درخواست گزار کر سکتا ہے لیکن اُس نے میری ایک نہ سُنی، ایک لمحے کو بھی

Scanned with CamScanner

فردِ جرم سے نظریں ہٹانا اور اپنے قدموں میں جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھنا اُس نے پسند نہیں کیا حالانکہ بہت دیر تک میں گوشت کے ایک ناچیز لوتھڑے کی طرح اُس کے قدموں میں پڑا رہا۔

مسلسل صفحے پلٹتا رہا، ہر بار صفحہ پلٹنے کی آواز میرے دل کو زخمی کرتی، لیکن وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنے فرض کی انجام دہی میں مصروف رہا۔ بہت دیر تک نہ جانے کب تک، میں اُس گونگے اور بہرے پیش کار کے جوتوں کو چاٹتا رہا، فردِ جرم کے صفحات مسلسل پلٹے جانے کی آواز پر تڑپتا رہا لیکن پیش کار کی ادنا سی توجہ بھی حاصل نہیں کر سکا۔

اتنی توہین اور اتنی ہزیمت، شدت کی اتنی قوت سے مسترد کیے جانے کے بعد میرا وہاں ٹھہرے رہنا ناممکن ہو گیا۔ مجھے کسی آواز اور اشارے کے بغیر کٹہرے کی طرف دھتکار دیا گیا تھا سرسری سماعت کی خصوصی عدالت میں جہاں منصف سو رہے تھے، پیش کار ایک گونگے، بہرے اور بے رحم خادم کی طرح فردِ جرم پڑھے جانے کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ اپنے بارے میں تلاش کیے گئے۔ الزامات ایک بھی لفظ جانے بغیر ملزم عدالت کے روبرو حاضر تھا گویا ہر بات تقدیر نے طے کر دی تھی، الوہی انصاف کی ہر تیاری مکمل ہو چکی تھی محض فیصلے کی دیر تھی، انصاف کے بلند مسکن پر سوئے ہوئے دیوتاؤں کے ایک معمولی اشارے کی جو آن کی آن میں ساری صورتحال کو تبدیل کرنے والا تھا۔

فیصلے کے لئے ہر الزام کو ثابت کیا جا سکتا تھا، یہ کہ مجھے ایک عدالت

میں پیش کیا گیا جو تین معزز ججوں پر مشتمل تھی، جن میں سے ایک سویلین تھا، جس نے عدالت کو ایک درست فیصلے تک پہنچنے میں مشیر کے فرائض انجام دیئے، یہ کہ اس عدالت میں ایک پیشکار نے فردِ جرم کو پوری تفصیل کے ساتھ پڑھا، یہ کہ ملزم نے کٹہرے سے نکل کر فردِ جرم تک رسائی حاصل کی اور اُسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، ہر بات اپنی جگہ اٹل اور ناقابلِ تردید تھی۔ میں ان میں سے کسی ایک بات کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے تو صرف ایک شکایت تھی، صرف ایک معمولی سی شکایت کہ فردِ جرم کے پڑھے جانے کی آواز مجھ تک نہیں پہنچی تھی، اور اس وجہ سے میں یہ نہیں جان سکا تھا کہ مجھ پر کیا الزامات لگائے گئے تھے۔ لیکن اس بات کا، اس معمولی سی شکایت کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ اگر اس بنیاد پر مجھے کسی اور بڑی عدالت سے رجوع کرنے کا موقع دیا بھی جاتا تو وہ کیا کرتی؟ ظاہر ہے کچھ بھی نہیں، میری اپیل کو غیر موثر ہونے کی بناء پر خارج کر دیا جاتا۔ اول تو یہ بات ممکن ہی نہیں تھی۔ انصاف کے اس نئے نظام کے تحت جو نظریہ ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر تیار کیا گیا تھا، یہی پہلی عدالت آخری عدالت تھی۔ اِس عدالت کے فیصلے کو اِس عدالت کی کارروائی کو کہیں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آخری کوشش کے طور پر میں صرف یہ کر سکتا تھا کہ ایک بار اور منصفوں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ "معزز منصفو! میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے، ہر ممکن حد تک، میں نے اپنے آنسوؤں سے پیش کار کے پاؤں تک دھو ڈالے،

Scanned with CamScanner

اُس کے بالکل قریب پہنچ کر، اپنے کانوں کو اُس کے ہونٹوں سے پیوست کر دیا، لیکن فردِ جرم کے پڑھے جانے کی آواز کا ایک چھوٹا سا ارتعاش بھی میرے کان کے پردوں سے نہیں ٹکرایا۔ انصاف اور قانون کے نام پر نہیں، کیوں کہ مجھے پتا ہے کہ اُن تک ہر آدمی کی رسائی ممکن نہیں، میں آپ سے انسانیت کے نام پر اُس جزبے کے نام پر جسے رحم دلی کہا جاتا ہے، ایک ادنا سی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے فردِ جرم سے آگاہ کیا جائے۔ مجھے ان الزامات کے بارے بتایا جائے جو مجھ پر لگائے گئے ہیں نہیں میں پوری فردِ جرم کو، تمام الزامات اور ان کی تفصیل کو نئے سرے سے دہرانے کی درخواست نہیں کروں گا میں صرف اسی حصے کو سننے پر اکتفا کرلوں گا جواب تک پڑھا نہیں گیا مجھے سنا دیا جائے شکایات خدارا: اس خیال کو دل میں جگہ مت دیجیے کبھی بھی اور کہیں بھی میں کوئی شکایت نہیں کروں گا، میں تو احسان مند رہوں گا۔"

افسوس میری یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ انہوں نے میری آہ و زاری اور فریاد پر پلک جھپکنا تک گوارا نہ کیا۔

اس کے بعد ایک دھتکار اور خواست گزار اپنے آپ سے ہارا ہوا ایک مایوس ملزم واپس لوٹ جانے کے سوا کیا کر سکتا تھا اور کتنی دیر کٹہرے کی اُس قوت کے خلاف لڑ سکتا تھا، جو اُسے مسلسل اپنی طرف کھینچ رہی تھی پلٹے بغیر میں پیچھے اور پیچھے مسلسل پیچھے کی طرف جتا چلا گیا۔ واپسی کا سفر محض ایک ثانیے میں طے ہوگیا، اتنی دیر میں کہ ایک اُلٹا قدم بھرا جا سکے۔ میں واپس لوٹ آیا، اپنے کٹہرے میں، اپنی اُس اوقات میں،

جسے انصاف کے زعم میں بھول گیا تھا مجھے پہلی بار احساس ہوا، عام زندگی میں معمول کے مطابق دکھائی دینے والی چیزیں جب واسطے میں آتی ہیں تو کتنی غیر معمولی ثابت ہوتی ہیں۔ ملک کے تحفظ اور ریاست کے راز کے نام پر بند کمروں میں ہونے والی سماعتیں کیسی ہوتی ہوں گی؟ عدالتوں کی طرف سے ملزموں کے بارے میں بتائی جانے والی حقیقتیں اصل میں کیا ہوتی ہوں گی۔ کون کہہ سکتا ہے کون انہیں جان سکتا ہے؟

میں کٹہرے میں کھڑا تھا، اُس کٹہرے میں جو میرے لئے ایک کشش رکھتا تھا۔ حالانکہ اُس کا اور میرا تعلق صرف سماعت کے اختتام تک تھا، پھر بھی اُس نے میری موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے وقت میں جب میں پیش کار اور منصفوں کی طرف سے دھتکارا جا چکا تھا، اُس نے مجھے اپنے حصار میں کھینچ لیا۔

میں سوچنے لگا۔ فردِ جرم کے اختتام پر کیا رویہ اختیار کیا جائے گا؟ کیا مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا؟ کیا مجھ سے پوچھا جائے گا کہ میں اپنے دفاع میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ اُن کے لئے ایسا کرنا ضروری نہیں۔ لیکن بہر صورت اگر مجھے عدالت میں لانا ضروری سمجھا گیا ہے تو مجھے صفائی کا موقع بھی ضرور دیا جائے گا۔ اس کے باوجود کہ میرے خلاف فردِ جرم ایک ماہر تقدیر ساز کے معجزہ ہنر کا نتیجہ ہے تمام تر کوشش کے باوجود اُس کا ایک لفظ بھی دیکھنا اور سننا ممکن نہیں ہو سکا۔ فردِ جرم ایک ایسا راز بن گئی ہے جو پیشکار کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔ ہر طرح سے انصاف کو اس قدر محفوظ بنا دیا گیا ہے کہ کوئی اس تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اُسے حاصل کرنا تو بہت دور کی

Scanned with CamScanner

بات ہے۔کوئی بھی اس کا سامنا کیے بغیر اس کے بارے میں نہیں جان سکتا۔

ظاہر ہے اگر تمام تر کوششوں کے باوجود کوئی ملزم یہ بھی نہ جان سکے کہ اُس پر کیا الزام لگائے گئے ہیں تو وہ اپنی صفائی میں کیا کہہ سکتا ہے؟ اعتراف یا انکار کے لئے اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے؟ وہ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے میں نے کچھ نہیں کیا لیکن وہ اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ حالانکہ یہ سب سے بڑا اعتراف ہے جو کوئی بھی انسان اپنے بارے میں کر سکتا ہے، یہ محض ایک اعتراف ہے جو کوئی بھی انسان اپنے بارے میں کر سکتا ہے یہ محض ایک اعتراف ہی نہیں، خود سب سے بڑی سزا بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔ بھلا اس سے بڑی کوئی اور سزا کیا ہوگی کہ ایک انسان یہ جان لے کہ اُس نے کچھ نہیں کیا۔ گویا ایک پوری زندگی بغیر کچھ کیے گزر گئی۔۔۔ لیکن عدالت اُسے اعتراف نہیں مانے گی، اسے انکار سمجھے گی اور قبول نہیں کرے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس انکار کو عدالت کی توہین تصور کیا جائے کیوں کہ اس عدالت کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ بھی کہا جائے اُسے من وعن تسلیم کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ ہر کوشش عدالت کے کام میں مداخلت اور رکاوٹ تصور کی جائے گی اور انصاف کو کسی مداخلت یا دباؤ کے ذریعے متاثر نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن میں بہر صورت ایسا نہیں کروں گا اس کے باوجود کہ مجھے پتا ہے کہ میں عدالت کو کسی غلط فیصلے پر پہنچنے سے نہیں روک سکتا میں اُسے روکنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ ساری زندگی کچھ نہ کرنے کا ازالہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا اور یوں بھی جب

کسی ملک میں بنیادی انسانی حقوق ختم کر دیے گئے ہوں تو انصاف کی ساری اُمیدیں سرسری سماعت کی خصوصی عدالت سے وابستہ کر لیتی چاہیں کسی بھی فیصلے میں غلطی کے امکان کو رد کر دینا چاہیے، غلطیوں کا امکان تو صرف سول عدالتوں میں ہوتا ہے کیوں کہ سول منصف آخر انسانی ذہن سے کام لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور اسی لیے ایک پر دوسری اور دوسری پر تیسری عدالت بنائی جاتی ہے۔

لیکن یہ خصوصی عدالت تو فرشتوں کی عدالت ہے جو ہر انسانی جذبے کی آویزش اور آمیزش سے پاک اُلوہی انصاف دیے کا ذریعہ ہوتی ہے، اس لیے اس عدالت کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے شاید بلکہ یقیناً آخرت میں بھی ہمیں کسی ایسی ہی عدالت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک طرف از خود گواہی دیتا اعمال نامہ ہوگا اور دوسری طرف انصاف۔

میرا معاملہ بہر صورت مختلف ہے جلد یا بدیر فرد جرم ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد کیا ہوگا، کوئی کچھ نہیں کہ سکتا لیکن ایک ملزم اس سلسلے میں صرف بہتری کی توقع ہی کر سکتا ہے یعنی یہ کہ اُسے صفائی کا موقع دیا جائے گا۔

آخر وہ موقع بھی آ گیا۔ سرد اور تاریک کمرے میں پسینے سے بھیگا ہوا پیشکار اپنی نشست پر گر گیا۔ منصف بیدار ہو گئے، ان کے چہروں پر اطمینان اور سکون کی موجودگی، اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تمام کارروائی ان کی توقعات کے عین مطابق ہوئی ہے۔

مجھے اپنا بیان شروع کر دینا چاہیے میں نے سوچا۔ کمرے میں بھنبھناتی ہوئی خاموش اور گھورتی ہوئی متوقع آنکھیں صفائی کے بیان کی سماعت پر رضامندی کا واضح

Scanned with CamScanner

اظہار ہیں۔اس سے پہلے کہ عدالت کا وقت ختم ہو یا کوئی اور فیصلہ ہو جائے، مجھے اس حیات آفریں لمحے سے فائدہ اُٹھانا چاہیے لیکن میں کیا کہوں گا؟ یہی بہتر ہے کہ میں انہیں شروع سے آخر تک ہر چیز بتادوں، ہر چیز جسے میں بار بار دہراتا رہا ہوں اور جو پوری تفصیل کے ساتھ میرے ذہن پر نقش ہے، ان کے سامنے رکھ دوں۔فردِ جرم تک رسائی نہ پانے والا ملزم اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے؟

جناب یہ شاید دس اور گیارہ جولائی کی درمیانی شب کا اختتام تھا "شاید" میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اب میں کوئی بات پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا۔وہ چیز جسے یقین کہتے ہیں میرے اندر چکنا چور ہو چکی ہے۔لیکن اس کے باوجود میں کوشش کروں گا پوری کوشش کہ ہر بات کو ممکن حد تک پورے یقین سے کہہ سکوں۔

میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ شہر کے ایک نئے آباد ہوتے ہوئے حصے میں واقع ہے میں معمول کے مطابق سونے سے پہلے دودھ والے کا انتظار کر رہا تھا۔ سارا مکان خالی تھا، کیونکہ نچلی منزل میں رہنے والا مکان کا مالک اپنے بچوں کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا۔یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہمیں مکان کے بالائی حصے میں اکیلا ہی رہتا۔۔۔۔۔۔۔مکان کا وہ حصہ جو مجھے کرائے پر دیا گیا تھا، دو کمروں اور ایک باورچی خانے پر مشتمل تھا۔میں نے ان کمروں کو ڈرائنگ روم اور بیڈروم کے طور پر تقسیم کر لیا تھا، حالانکہ ڈرائنگ روم کا مطلب وہ کمرہ تھا جس میں ایک صوفہ پڑا تھا، جسے صرف کبھی کبھار استعمال کیا جاتا تھا۔جبکہ بیڈروم میری کتابوں ایک

ریڈیو ٹیپ ریکارڈر اور کپڑوں کی ایک الماری پر مشتمل تھا۔۔۔۔جی ہاں!۔۔۔۔اس کمرے میں کوئی مسہری یا چارپائی نہیں تھی کیوں کہ میں زمین پر سوتا تھا، صرف اسفنج کے دو گدے اور چند تکیے تھے۔جوان گدوں پر بچھی ہوئی چادر پر بکھرے رہتے تھے اور صرف ان تکیوں اور گدوں کی وجہ سے جن پر میں سوتا تھا، میں اس کمرے کو بیڈروم کہتا تھا۔

ممکن ہے یہ تفصیل آپ کو غیر ضروری لگ رہی ہو، لیکن میں آپ کو ہر چیز، ہر بات بتادینا چاہتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ کہیں کہ میں نے کچھ چھپالیا ہے۔حالانکہ مجھے پتا ہے کہ اس کے باوجود بہت کچھ چھپا رہ جائے گا، کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں میں خود نہیں جانتا۔میرا بہت کچھ خود مجھ سے بھی چھپا ہوا ہے۔چھپے ہوئے اس حصے نے کئی بار مجھے حیرت زدہ کیا ہے، لیکن ظاہر ہے آپ کو ان باتوں سے، بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہوگی۔

میں ناشتا کر کے سو جاتا تھا۔پھر دوپہر کے بعد اُٹھ کر اخبار دیکھتا موسیقی سنتا نہاتا کھانا پکاتا، کھانا کھاتا، کبھی کبھار تھوڑا بہت پڑھتا لکھتا اور پھر سو جاتا۔اسی طرح شام کو اُٹھتا نہا دھو کر چائے پیتا اور دفتر چلا جاتا۔یہی میرے دن رات تھے اور یہی میری مصروفیات اس معمول میں تبدیلی صرف چھٹی کے روز آتی یا اُس وقت جب میں کسی دوست کے ہاں جاتا یا کوئی میرے گھر آجاتا۔

میں نے دروازہ کھولا تو وہ لوگ دروازے سے لگے کھڑے تھے۔ڈھلتی ہو ئی رات کی روشنی میں، اُن کے چہروں کو ایک دوسرے سے الگ دیکھا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنی طرف سے دروازہ کھولنے میں کوئی تاخیر نہیں کی تھی، اس کے

Scanned with CamScanner

باوجود کچھ دیر ہو گئی۔ اتنی دیر تو لگی ہی ہو گی، جو ایک نیم غنودہ آدمی کو دستک سننے اور نیچے آنے میں لگ سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جو تاخیر ہوئی وہ اُن کی غیر متوقع آمد کی وجہ سے ہوئی، میں نے کوئی احتیاط نہیں برتی تھی۔ مجھے احتیاط کی ضرورت ہی نہیں تھی، دودھ لینے سے پہلے اچھی طرح دُھلے ہوئے برتن کو کھنگالنا تو میری عادت بن چکا تھا۔ دستک کی شدت پر میں نے جان بوجھ کر توجہ نہیں دی آپ کو تو اچھی طرح علم ہو گا دودھ والے آج کل تاخیر سے آتے ہیں اور بڑی جلدی میں ہوتے ہیں اس لئے میری تمام تر کوشش کے باوجود دودھ والے کو ہمیشہ مجھ سے تاخیر کی شکایت ہی رہی۔

یہ سمجھیں کہ اجتماعی مزاج میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے نہیں یہ مت سوچنے گا کہ ایسا محض تبلیغی مذاہب کے عروج کی وجہ سے ہوا میرے خیال میں تو معمولی اقتصادی فائدے سے جنم لینے والی اس بات نے ہمارے عہد کے بنیادی عقیدے کی شکل اختیار کر لی ہے کہ ہر حال میں صرف اپنی مفاد کو عزیز رکھا جائے۔

دودھ دینے والا ایک گوالا بھی فائدے کے لئے بھاگ رہا ہے اور دودھ لینے سے قبل برتن دھونے والا بھی۔

بہر صورت مجھے دیر ہو چکی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آ گئے میں بالکل نہیں بتا سکتا کہ وہ چار تھے یا پانچ، لیکن وہ چار یا پانچ ضرور تھے۔ میں گنتی کر سکتا تھا، چہروں کو دیکھ سکتا تھا لیکن انہوں نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ دو میرے قریب کھڑے تھے اور ان میں سے ایک کے

ہاتھ میں پستول تھا جبکہ دوسرے، کمروں میں گھسے چیزوں کو اُلٹ پُلٹ رہے تھے۔ آپ ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے شور کیوں نہیں مچایا۔ آپ نے بالکل درست سوچا، ہر آدمی یہی سوچے گا، لیکن میں دراصل ایک ڈرپوک آدمی ہوں اور پھر یوں بھی میں نے زندگی میں پہلی بار سچ مچ کا پستول دیکھا تھا اور وہ بھی اس حالت میں کہ اس کا نشانہ بظاہر میں خود تھا۔ آپ اس حالت کے بارے میں جس سے میں گزر رہا تھا، صرف سوچ سکتے ہیں، محسوس نہیں کر سکتے، کیونکہ اگر آپ کو ایسی کسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے تو آپ کا ردِعمل یقیناً مجھ سے بہت مختلف ہو گا۔ ردِعمل کا یہی اختلاف ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے مختلف کرتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ میں اس معاملے کو زیادہ طول نہیں دوں گا۔۔۔ لیکن اُس پوری صورت حال نے جس سے میں گزرا ہوں، میری ذہنی ساخت کو بالکل تبدیل کر دیا ہے آپ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگا لیں کہ جس طرح آج، میں چیزوں اور واقعات کو دیکھ سکتا ہوں، اس سے پہلے ممکن نہیں تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے! آپ لوگ۔۔۔۔" میں نے اُن لوگوں سے پوچھا تھا، لیکن میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اُس شخص نے جو پستول والے کے ساتھ کھڑا تھا، ایک کارڈ نکالا اور اسے میری آنکھوں کے سامنے لہرایا اور واپس رکھ لیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے کیا گیا کہ میں اُس شخص کا نام تو کیا ادارے کا نام بھی نہیں پڑھ سکا۔۔۔ "ہم قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے سے آئے ہیں"۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس نے یہ جملہ بھی کہا تھا۔

Scanned with CamScanner

"ٹھیک ہے لیکن آپ کے پاس گھر میں داخل ہونے اور تلاشی لینے کا حکم نامہ یا وارنٹ تو ہوگا۔" یہ بات میں نے کس طرح پوچھی تھی، مجھے خود اس کا اندازہ نہیں، لیکن میں نے یہ یا اس سے ملتا جلتا کوئی سوال ضرور پوچھا تھا۔ جس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔ کمروں سے چیزوں کے اُلٹنے پلٹنے اور گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"دیکھیں جناب! تلاشی سے قبل آپ کو وارنٹ دکھانا چاہیے۔ اگر واقعی آپ کا تعلق قانون کا نفاذ کرنے والے کسی ادارے سے ہے تو آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگی کہ اس طرح اب تک چوری اور ڈاکہ زنی کی متعدد وارداتیں ہو چکی ہیں۔" ایک بار پھر میں نے جی کڑا کر کے بولنے کی کوشش کی، لیکن اس بار بھی انہوں نے کوئی جواب دینا پسند نہیں کیا۔ یہاں بیٹھ کر آپ بالکل اندازہ نہیں کر سکتے کہ جو کچھ کہا جاتا ہے، اُس پر عمل کس طرح ہوتا ہے۔ وہ جس طرح چاہتے تلاشی لیتے، ظاہر ہے میں اُن کو نہیں روک سکتا تھا۔ اگر اُن کا تعلق قانون سے نہ ہوتا تو بھی ایک پستول اور چار پانچ آدمیوں کی موجودگی میں ایک آدمی کیا کر سکتا ہے۔" آپ جس طرح چاہیں تلاشی لیں میں قانون کے ساتھ پورا تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس سے پہلے آپ مجھے مطمئن کریں کہ آپ کا تعلق واقعی قانون سے ہے۔" اُن کی مسلسل خاموشی نے مجھے بڑا حوصلہ دیا تھا، تمہیں مطمئن کر دیا جائے گا۔ فی الحال چپ چاپ کھڑے رہو۔ تمہارا نام غلام ہے نا؟" اس بار بھی کارڈ دکھانے والا ہی بولا تھا۔

"غلام ــــ جی ہاں۔" میں نے بے ساختہ اعتراف کر لیا۔ یک لخت

ساری بات میری سمجھ میں آ چکی تھی۔ کیوں کہ اُسی رات گھر میں داخل ہوتے وقت مجھے دروازے کے پاس پڑا ہوا ایک لفافہ ملا تھا، جس کے اندر ایک کاغذ پر شکستہ خط میں کچھ تحریر تھا اور اس تحریر کے نیچے ایک مہر کندہ تھی۔ میں اب تک نہیں جان سکا کہ اس لفافے کو دروازے کے اندر کون ڈال گیا تھا۔ لیکن تھوڑی سی کوشش کے بعد میں اتنا ضرور جان گیا کہ اُس تحریر کے ذریعہ مجھے سرسری سماعت کی کسی عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں تحریر کے اس انداز آشنا تھا۔ یقیناً یہ تحریر کسی ایسے محرر کی تھی جسے روزنامچہ پُر کرتے ہوئے ایک یا ڈیڑھ دہائی سے زائد عرصہ گزر چکا ہو۔ یہ بات میرے ذاتی تجربے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود میرے باپ کا طرز تحریر بالکل ایسا ہی تھا۔ وہ برطانوی فوج میں تھا، لیکن اپنی زندگی کے اختتام تک اُس نے کبھی برطانوی فوج کو برطانوی فوج نہیں کہا وہ ہمیشہ اُسے شاہی آرمی ہی کہتا تھا اور خود کو ایک کٹر قسم کا وطن پرست ثابت کرتا۔ حالانکہ اس وقت جب برصغیر میں لوگ برطانوی غلامی کا مکروہ بوجھ اُتارنے کے جرم میں گولیاں کھا رہے تھے وہ مشرقِ وسطیٰ یا مشرق بعید کے کسی محاذ پر انہی انگریزوں کے تحفظ میں مصروف تھا۔ میں نے کبھی بھی اُسے اس بات پر شرمندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ تو خیر یہاں نہیں تھا میں نے تو اُن لوگوں کو بھی شرمندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، جو اپنے ہی وطن میں، خود اپنے ہاتھوں سے، آزادی کی جدوجہد کرنے والوں پر گولیاں چلاتے رہے۔ خود میرا باپ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد وہ واپس آ گیا اور ریاستی پولیس میں رکھ لیا گیا، جو بعد

Scanned with CamScanner

میں مغربی پاکستان پولیس بن گئی ایک سابق فوجی ہونے کے حوالے سے اُس کی تمام تر ہمدردیاں فوج کے ساتھ ہی ہوتی تھیں لیکن نہ جانے کیوں اُس کی اور میری ماں کی ہمیشہ اس معاملے پر ان بن رہتی۔ میری ماں خود ایک فوجی ہی کی بیٹی تھی لیکن وہ ہمیشہ یہ کہتی تھی کہ پاکستان بنانے میں فوج نے کچھ نہیں کیا۔ ہاں پاکستان بننے سے گوروں کی فوج کے ان چھوٹے چھوٹے افسروں کی چاندی ہوگئی اور انہیں بڑا بننے کا موقعہ مل گیا۔ میرے باپ کو اس کی یہی بات پسند نہ آتی۔ دونوں میں خوب تو تکار ہوتی اور کئی کئی دن تک دونوں کی بات چیت بند رہتی۔ آخر یہی بات اُن میں علیحدگی کا باعث بنی۔

میں اس سمن کے بارے میں بہت سوچتا رہا، لیکن بالکل نہیں جان سکا۔ آخر مجھے سرسری سماعت کی ایک فوجی عدالت کیوں باہر لائے گی؟ کیوں کہ عام طور پر ایسی عدالتوں میں جن لوگوں کو بلایا جاتا تھا، میں کسی صورت اُن میں سے نہیں تھا۔ یہ سمن تو خیر جو بھی تھا لیکن اس میں سب سے زیادہ توجہ کا مستحق میرا نام تھا، غلام ولد غلامو۔۔۔۔ حالانکہ میرے اس نام کو میرے گھر والے تو کیا میں خود بھی بھول چکا تھا۔ کہیں بھی مجھے اس نام سے جانا جاتا تھا۔ کراچی آنے کے بعد دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ ساتھ میں نے اس نام کو بھی اُتار پھینکا تھا۔ معاشرت کی تبدیلی نے ہر چیز کو تبدیل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ میٹرک تک آتے آتے میں تو کیا، میرا باپ بھی غلام محمد عرف غلامو کی بجائے، جی۔۔۔۔ محمد رہ گیا۔ یہ تھی میری سماجی ترقی جو اندر ہی اندر، بڑے غیر محسوس انداز سے مجھے بھی متغیر کر رہی تھی میں اپنے آپ سے بھاگ رہا تھا، ہر بات سے بے خبر۔۔

یونیورسٹی تک تعلیم کے دوران ہی میری ماں اور باپ انتقال کر گئے۔ اب بھی اگر مجھے کسی بات سے گھبراہٹ ہوتی تھی، تو صرف اس پسماندہ علاقے سے، جہاں میں پیدا ہوا تھا، مجھے ہر وقت ڈر رہتا تھا کہ کراچی آنے والا کوئی آدمی مجھے پہچان نہ لے، حالانکہ یہ صرف میرا وہم تھا، کسی کو کیا پڑی تھی کہ مجھے تلاش کرتا۔ اس شہر کی تو سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ یہاں آنے والا ہر شخص اپنے آپ کو چھپانے میں اتنا مصروف ہو جاتا ہے کہ اُسے کسی کا ہوش نہیں رہتا۔ پھر خیر پور ٹامے والی سے کون آتا اور آتا بھی تو میری فکر کیوں کرتا پھر بھی میں پوری احتیاط کرتا تھا، کیوں کہ وہم کی بھی اپنی ایک حیثیت ہوتی ہے میں نے کبھی کسی سے سرائیکی میں گفتگو نہیں کی اگر کسی ہم زبان سے واسطہ پڑا بھی تو اُردو اور پنجابی کا سہارا لیا۔ اتنے عرصے تک کراچی میں رہنے کے بعد میں نے اپنے لہجے پر شبے کو ناممکن بنا دیا تھا۔ خیر پور ٹامے والی سے کراچی آنے والے غلام کی میں نے پوری طرح بیخ کنی کر دی۔ واپس جانا تو در کنار میں نے کبھی اس بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔

بہت ممکن ہے۔۔۔۔۔ کراچی آنے والے کسی شخص نے مجھے پہچانا بھی ہو لیکن میری بدلی ہوئی ہیئت دیکھ کر یقیناً اُس نے اپنے حواس پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔ بھلا وہ مجھے مخاطب کرنے کی ہمت کس طرح کرتا؟ اُس کے ذہن میں اگر غلام کی کوئی تصویر جاگی بھی ہوگی تو اُس نے فوراً جھٹک دی ہوگی۔ میں نے اس بات سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ سرائیکی بولنے والے ہر شخص کے ساتھ میرا رویہ توہین آمیز رہا۔ میں ہمیشہ اس

Scanned with CamScanner

کی پسماندگی کا مذاق اُڑاتا رہا۔ میں اس پوری تفصیل کو اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ آپ کو پوری صورتِ حال کو اور مجھے اچھی طرح سمجھنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

میری زندگی مکمل طور پر ایک پُرسکون زندگی تھی۔ لیکن کاغذ کے اُس معمولی ٹکڑے نے، حاضری کے اُس حکمنامے نے (جو ممکن ہے سرسری سماعت کی عدالت سے محض کسی غلط فہمی کی بنا پر جاری ہوا، اور یقیناً یہ غلطی کسی ادنا کارندے سے ہوئی ہوگی) اعتماد کی اس ناقابلِ تسخیر عمارت کو جسے پینتیس برسوں کے دوران، ایک ایک اینٹ رکھ کر اُٹھایا گیا تھا، بغیر کسی دھماکے کے اُڑا کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

طلبی کا یہ سمن جو مجھے سرف ایک رات پہلے ملا تھا، اپنے اندر ایک عجیب قوت رکھتا تھا۔۔۔ چاہتے ہوئے بھی میں مسلسل اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا اور اُس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ ہر کام کے دوران بار بار مجھے اُسی کا خیال آتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کسی سے اُس کا ذکر نہیں کیا۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں اور روزانہ کے ملنے ملانے والے دوستوں سے بھی میں نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے، لیکن اب کیا ہو سکتا ہے میں وقت کو پیچھے کی طرف واپس تو نہیں دے سکتا۔

ناخوشگواری کے باوجود کسی فیصلے تک پہنچنے کے لئے ان ساری باتوں کا بیان کیا جانا بہت ضروری ہے۔

"آپ ضرور سوچ رہے ہوں گے آخر ایسی کون سی بات تھی جس لی وجہ سے

میں نے طلبی کے اُس حکمنامے کو چھپائے رکھا؟ ضرور-------وجہ تھی-------اور وہ یہ تھی کہ اس حکمنامے میں ایک نام لکھا گیا تھا جو میرا نہ ہوتے ہوئے بھی میرا تھا یعنی جس آدمی کو حاضر ہونا تھا، اُس کا وجود تحلیل ہونے کے باوجود ایک بار پھر اس حکمنامے کے ذریعے اپنے حرم سے باہر آ گیا تھا------ اس کے نئے وجود نے مجھے دوہری موجودگی سے دوچار کر دیا تھا۔ دو وجود ایک وہ جو مسلّط کر دیا گیا تھا اور ایک وہ جو مجبوری تھا، اب ان میں سے کسی ایک سے دستبردار ہونا میرے لیے ممکن نہیں تھا، حکمنامے میں لکھے گئے اس نام نے میرے سارے نقاب اُتار پھینکے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ خود کو بے نقاب کر کے لوگوں کا اعتبار ختم کروں۔ میں اپنے محترم اور مفروضہ پس منظر سے بے دخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔۔۔ غلامو کا بیٹا ایسا غلام کیوں چاہتا تھا، اس کی ذے داری میرے علاوہ اُن سب لوگوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ جو ہر چیز کو وہی سمجھتے ہیں جیسی وہ دکھائی دیتی ہے جنھوں نے تمام باتوں کے باوجود شک وشبہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔ میں نہیں کہ سکتا کہ آپ بھی میری سوچ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ لیکن آپ اس بات سے ضرور اتفاق کریں گے کہ ہم سب نے مل کر معاشرے کی ساخت کو اتنا پیچیدہ کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنے آپ سے چھپتا پھر رہا ہے۔ ہر شخص اپنے آپ سے بھاگ رہا ہے، یہ جانے بغیر کہ اس کا رُخ کدھر ہے۔

میرے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے، واضح غیر طبقاتی اندازِ فکر اور تمام تر روشن خیالی کے باوجود، اس فطری دباؤ کی بیخ کنی نہیں کر سکے جس کی جڑیں ایک زمانے سے

Scanned with CamScanner

اُن کے اندر ہی اندر پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔ اس پوری سماجی ساخت کو، جو نیچے سے اُوپر اور اُوپر سے نیچے کی درمیانی خلیج کو بڑھاتی جا رہی ہے، ایک ہی جست میں بدلنے کا خواب تو دیکھا جا سکتا ہے، لین اس بدلا نہیں جا سکتا۔ وہ جست کو بھرنے کی کوشش میں بار بار لہولہان ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود میں اُن سے ڈرتا رہا ہوں۔ کیوں کہ اُن میں سے اکثر کو میں نے سماجی سطح کے امتیاز کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

میں اُن کی محبت اور نفرت دونوں سے ڈرتا ہوں۔ اندر ہی اندر بڑھتے رہنے والے اس خوف کی وجہ سے جو آج ایک دیوار بن گیا ہے، میں برسوں لرزتا رہا ہوں۔ خوف کا ایک پُرقوت اور غیر مرئی احساس مجھے برسوں اپنے حصار میں جکڑے رہا ہے یہی وجہ یقیناً یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنے نام سے اپنے آپ سے اور یہاں تک کہ غلامی کے لفظ ہی سے نفرت ہوگئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔صرف غلامی ہی سے نہیں مجھے تو انکسار سے بھی نفرت ہوگئی۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ میں نے ایک شخص کو ملازمت دینے کی مخالفت محض اس لیے کی کہ اس نے اپنی درخواست کے آخر میں "آپ کا تابعدار اور مخلص" لکھ دیا تھا۔ آج میں نفرت کے اس زہر سے بھرا ہوا ہوں۔ یہ ناقابلِ بیان فطری زہر میرے اندر مسلسل پھیلتا اور پُھولتا رہا ہے۔ اگر آپ کو میری باتیں ناگوار گزر رہی ہیں تو میں اس کے لئے معزرت خواہ ہوں، لیکن اگر آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں تو سارا معاملہ بالکل سیدھا اور آسان ہو جائے گا۔ مختصراً آپ یوں

سمجھ لیں کہ میں اس معاشرے کے خود مختار عوامل اور محرکات کا فطری مظہر ہوں۔

"میں نے خود کو بہت تبدیل کر لیا ہے۔ آہستہ آہستہ اور بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے، میں ہر اُس چیز اور بات سے الگ ہو گیا جو مجھے کسی بھی طرح ماضی میں لے جا سکتی تھی۔ اپنے آپ سے بچنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ میں کبھی اپنی ماں اور باپ کی قبروں پر بھی نہیں گیا۔ محض اس خوف سے کہ کہیں اُن کا بیٹا غلام ایک بار پھر زندہ نہ ہو جائے۔ لہولہان ہونے کے باوجود میں نے ایک ایک یاد کو کُھرچ ڈالا۔

میں صرف اپنی زبان سے نہیں، ہر علاقائی زبان سے نفرت کرنے لگا تھا۔ میں بڑی شد و مد سے کہتا! اتحاد و یکجہتی کی عظیم تر اکائی کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں صرف ایک زبان کو رائج کرنا چاہیے۔ ایک قومی زبان کو علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کا پرچار ہمارے قومی تشخص کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ ہمیں علاقائیت کی متعصب خیالی سے باہر آنا چاہیے۔ اس طرح آہستہ آہستہ میں اپنے آپ سے دور ہوتا گیا، اتنا دور کہ حاضری کا یہ حکم نامہ جب مجھے ملا تو بہت دیر تک میری سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ واقعی طلبی کے اس سمن کے ذریعہ مجھے ہی بلایا گیا ہوگا۔ میں اِسے محض ایک غلطی سمجھتا رہا، محض ایک مذاق، لیکن آج اِس عدالت میں حاضری نے مجھ پر ثابت کر دیا ہے کہ میں غلطی پر تھا، ایک سنگین خوش فہمی کا شکار تھا۔

میں اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے محض معمولی مفادات حاصل کرنے کے لیے، جو آج بالکل ناکارہ اور بے معنی ثابت ہو چکے ہیں، چیزوں کو

Scanned with CamScanner

اپنایا اور ترک کیا میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں خود ہی اپنے خلاف ایک نفرت انگیز کارروائی کا مرتکب ہوا ہوں۔ میں تو خود اپنا قاتل ہوں، مجھ پر خودکشی کا الزام میں مقدمہ چلا کر بغیر کسی ثبوت کے سزا دی جاسکتی ہے۔ لیکن مجھے پتا ہے ایسا نہیں ہوگا، نفرت کی اس کارروائی، قتل کی اس واردات اور خودکشی کے اس سانحے پر، دنیا کی کوئی عدالت میرے خلاف کارروائی نہیں کرے گی۔ ہر آدمی اس کی تعریف کرے گا، پہلے بھی کئی بار میں اس کی داد حاصل کر چکا ہوں۔ کئی بار لوگوں نے مجھ سے کہا ہے۔ کمال ہے آپ کے تلفظ اور لہجے کی ادائیگی سے بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ آپ کی زبان اُردو نہیں۔ اُردو پر آپ کی دسترس حیرت انگیز ہے-------- لیکن آج مجھ پر اس باکمال جملے کا سرشار کر دینے والی اس تعریف کا ہر پہلو روشن ہو چکا ہے۔ اس جال کو میرے گرد اتنی مہارت اور چابکدستی سے کسا گیا کہ چبھن کو محسوس کرنے کے باوجود میں نے اس سے باہر آنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اس اجنبی، دوسرے اور غیر مانوس وجود کو خوشدلی سے قبول کرلیا۔ مجھے کبھی خیال تک نہ آیا کہ میں وہ نہیں، جو میں ہوں۔۔۔ لیکن اتنا کچھ ہونے کے باوجود میں کاغذ کے معمولی سے اس ٹکڑے سے بظاہر عدالت کے ایک ادنا سمن سے ہار گیا۔ حاضری کے اس حکم نامے نے آخر کار میرا سب کچھ تبدیل کر دیا۔ میں آسمانی رفعتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا، اُس نے مجھے پاتال میں لا پھینکا اور ایک بار پھر ہر چیز کو اجنبی بنا دیا۔

محترم آپ نے آئنسن کو کا وہ ڈراما تو ضرور پڑھا ہوگا جس میں اُمیڈی اور اُس کے

خاندان کا واسطہ ایک لاش سے ہے، ایک ایسی لاش جو ہر لمحے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے بس یوں سمجھیں، ایک معمولی سے فرق کے ساتھ ہیں اور اَمیڈی بہت زیادہ ملتے جلتے سانحے کا شکار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ امیڈی کو جس لاش سے واسطہ ہے وہ باہر پڑی، مسلسل بڑھتی ہوئی اور دکھائی دیتی ہوئی حقیقت ہے لیکن میرے مقتول، غلام کی لاش میرے اندر پڑی تھی۔ میں اُس کے مسلسل بڑھتے رہنے کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔ لیکن حاضری کے اس حکم نامے کے ساتھ ہی وہ ساری رکاوٹوں کو توڑ کر باہر آ گئی اُس نے ایک زندہ سائے کا روپ دھار لیا، جو میرے جسم پر قابض ہونے اور حکم چلانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں ہر بات کو بڑے صاف اور سیدھے طریقے سے بیان کر رہا ہوں، اس کے باوجود اگر میرا بیان کہیں گنجلک ہو جائے تو آپ مجھے ٹوک سکتے ہیں، مجھ سے ہر بات کی وضاحت طلب کر سکتے ہیں۔ عام طور پر دوسروں کا ٹوکنا اور وضاحت طلب کرنا مجھے بُرا لگتا ہے لیکن آپ کا معاملہ بہر طور مختلف ہے۔ آپ منصف ہیں اور میں بہر طور ایک ملزم، آپ کے لئے ہر بات کو پوری تفصیل سے، تمام پہلوؤں کے ساتھ جاننا بہت ضروری ہے۔ مجھے آپ کی خاموشی اور نیند پر کوئی اعتراض نہیں، مجھے پتا ہے آپ سو نہیں رہے، بلکہ میری ہر بات کو پورے انہماک سے سُن رہے ہیں۔ حالانکہ بظاہر ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ مختصراً آپ یہ سمجھیں کہ میں ایک قاتل و مقتول کے اتصال کا نتیجہ ہوں اور اُمیڈی کے برخلاف میرا مسئلہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے نجات حاصل کرنا ہے ہر چند کہ مجھے اب تک علم نہیں کہ ان دونوں میں سے کس

Scanned with CamScanner

سے نجات حاصل کرنا چاہیے۔ اور کیوں کہ نجات کے تمام دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے اب اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔

مجھے گرفتار کرنے والے شخص نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا: کیا میں غلام ہوں؟ میں بھلا اس کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ کیونکہ اُن ساری غلط فہمیوں کے باوجود جواب تک مجھے یقین دلاتی رہی تھیں کہ وقت نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا کہ ایک ثانیے کے عشرِ عشیر میں سب کچھ ختم ہو چکا ہے یا ہو سکتا ہے۔

وہ دونوں اب بھی میرے سامنے کھڑے تھے اُن کے ساتھیوں نے ساری چیزیں کتابیں، کاغذ، مسودے، کیسٹیں اور تصویریں لا کر برآمدے میں ڈھیر کر دی تھیں۔ کہانیوں، نظموں اور ترجموں کے ہر مسودے کو وہ اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کاغذ اُٹھایا اور پڑھنا شروع کیا:

"میں بھوکے کتوں کے نرغے میں ہوں
مجھے کون چھڑائے گا
ہر طرف کتے ہیں
بھوکے اور غراتے ہوئے کتے

"ایدا کی مطلب اے-------اے کِدے لئی لکھیا اے؟" اُس نے پوچھا

"یہ ایک نظم ہے، علامتی نظم، یہ میں نے اپنے لیے لکھی ہے۔ آپ اس نظم کو

صرف چند سطریں پڑھ کر نہیں سمجھ سکتے

"کتے کنوں لکھیا اے؟"

"جی کسی کو نہیں----------- کسی کو بھی نہیں۔" میں اُس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اُس نے مجھے گھورا اور "ہُوں" کہتے ہوئے نظم کو کاغذوں کے ڈھیر پر ڈال دیا۔

انہوں نے تمام چادریں پلٹ دیں، پردے کھینچ ڈالے، کشن پھاڑ دیے، صوفے کو چیر ڈالا تکیے ادھیڑ کر رکھ دیے اور الماری کو خالی کر کے پلٹ ڈالا۔ اُن کی لگن اور انہماک قابل دید تھا۔ اس دوران مسلسل سوال بھی ہوتے رہے۔

"تم نے اتنی ساری کتابیں کیوں جمع کر رکھی ہیں؟"

"اکثر کتابوں کی جلدیں سُرخ کیوں ہیں؟"

"اتنے سارے بال پوائنٹ تم کیا کرتے ہو؟"

"سادہ کاغذ اور خالی رجسٹر کس لیے ہیں؟"

"لکھنے کی میز کھڑکی کے سامنے کیوں ہے، اُس پر بلب کیوں لٹکا ہوا ہے؟"

"دیواروں پر لگی ہوئی پینٹنگز میں سے اکثر نیوڈ کیوں ہیں؟"

"گھر میں ٹیلی فون نہ ہوتے ہوئے بھی ڈائریکٹری کیوں ہے؟"

"بیڈروم میں سُرخ بلب کیوں لگا رکھا ہے؟"

"کمرے میں دو ٹیوب لائٹس کیوں ہیں؟"

اُن میں سے ایک باری باری ہر کیسٹ کو بجا رہا تھا۔۔۔ وہ صرف سوال کر رہے

Scanned with CamScanner

تھے ہر سوال کے اختتام پر، اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ نیا سوال کر دیتے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے۔ سوچ لو، یہاں سوچنے کا وقت ہے، وہاں نہیں ہوگا۔

میں نے انہیں صاف صاف بتا دیا: میں شاعر اور کہانی کار ہوں، اس کے علاوہ مجھے فلم، ڈرامے، مصوری اور موسیقی سے دلچسپی ہے۔ یونیورسٹی کے زمانے میں، فلسفہ اور نفسیات میرے مضمون رہے ہیں، اسی لیے میرے پاس یہ کتابیں ہیں لیکن اس کے باوجود میں اب تک طے نہیں کر سکا کہ میں خود کیا ہوں؟

"ہن اووی طے ہو جاوے دا۔" پستول والے کے ساتھ کھڑے آدمی نے کہا۔ برتن، کپڑوں، سادہ کاغذوں اور دوسرے گھریلو سامان کے علاوہ سب کچھ باندھا جا چکا تھا۔

"آپ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں پوچھ لیں، لیکن یہ کاغذ اور کتابیں آپ کے کس کام کی ہیں؟" میں نے کتابوں اور مسودوں کو بچانے کی کوشش کی کیونکہ مجھے پتا تھا۔ اگر واقعی مجھے گرفتار کر کے لے جایا جا رہا ہے تو پھر ان کاغذوں اور کتابوں کا واپس ملنا ناممکن ہوگا۔ سب سے زیادہ فکر مجھے اپنے مسودوں کی تھی اور پھر کتابوں کی، اتنی کتابیں پھر جمع کرنا ناممکن تھا، اس میں اول تو پیسوں کا مسئلہ تھا اور پھر کتابیں، اکثر کتابیں مسلسل تلاش کے باوجود بھی دوبارہ حاصل نہیں کی جا سکتی تھیں، کم از کم میں تو انہیں دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اُن کتابوں کے ذریعے وہ مجھے کچھ بھی ثابت کر سکتے تھے۔ اُن میں سے بہت سی کتابیں، خاص طور پر مارکس، لینن اور ماؤزے

تنگ کی کتابیں ماسکو اور بیجنگ کی چھپی ہوئی تھیں اور باقی امریکہ اور برطانیہ کی۔ اُن میں ایک کتاب چھاپہ مار جنگ کے بارے میں تھی۔ اس کتاب کو دیکھ کر وہ اُچھل پڑے۔

"ایہہ کس لئی اے---------اچھا، چھاپہ مار جنگ دی تیاری ہوئی اے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا، حالانکہ اُن کے ایک ایک لفظ کو میں پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ "یہ کتاب چھاپہ مار جنگ کی تاریخ کے بارے میں ہے۔"

"توں ایس کتاب نوں بنڈ وچ لپیٹن لئی رکھیا ہویا اے؟" اُس کی زبان اور لہجے کی نرمی یک لخت ختم ہو گئی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس کتاب کو دیکھ کر وہ اس قدر مشتعل کیوں ہو گیا تھا۔

"یہ کتاب امریکہ کی چھپی ہوئی ہے اور اسے ایک امریکی صحافی نے مرتب کیا ہے۔" میں نے اُسکا غصہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

"آہو-------ہن تسا نوں امریکہ والے وسدے نیں، تُنوں لئی کم کرن والیاں نوں لک چھپ کے کیویں ماریا جائے، گڈیاں نوں اک کِداں لائی جائے، کارخانے کِداں بند کرائے جان، بم کداں وسے جان----------ایہی لکھیا اے نا ایسی کتاب وچ؟" اُس نے کتاب جیب میں ڈالتے ہوئے غصّے سے کہا۔

"نہیں----------اس میں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" حالانکہ اس میں ایسے کئی واقعات کا حوالہ دیا گیا تھا، جن سے یہ مطلب بھی نکالا جا سکتا تھا۔

"اچھا اچھا----------بوہے لاتے باہر نکل----------سب پتا لگ

جائے دا'' اس نے سیڑھیوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

اسی دوران، چادروں میں باندھا ہوا سارا سامان نیچے لے جایا جا چکا تھا اور اب صرف میں رہ گیا تھا۔

آپ کے پاس میری اس طرح گرفتاری کا وارنٹ تو ہوگا۔ کیا آپ یہ وارنٹ مجھے دکھانا پسند کریں گے" میں نے ڈرتے ڈرتے بڑے حوصلے کے ساتھ پستول والے سے کہا۔ لیکن میری آواز محض ایک سرگوشی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اس کے جواب میں، میرے پیچھے کھڑے ہوئے شخص نے میرے چوتڑوں پر ٹھڈا مارا اور پستول والے نے کہا

" آہو۔۔۔ آہو: دکھاواں کھول کے وہ ہنس رہا تھا۔

"اَگے لگ--------اگے-------سارے وَرَنٹ مل جانگے۔ "ٹھڈا مارنے والے نے تمسخر آمیز انداز میں ہنستے ہوئے مجھے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

کل شام سے بارش ہو رہی تھی اور گھر کے سامنے والی ڈھلواں سڑک عقبی پہاڑی سے بہہ کر آنے والی کیچڑ سے بھری ہوئی تھی۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ بارش ہوتی ہے اور پہاڑی کی طرف سے اتنی تیزی میں آتا ہوا پانی، ساتھ لائی ہوئی پیلی مٹی کو ان سڑکوں پر چھوڑتا ہوا نشیب میں چلا جاتا ہے عام طور پر دروازے کے سامنے سے گزرتی ہوئی اندرونی سڑک کو ٹریفک کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا اور زیادہ تر ٹریفک تین لائنیں چھوڑ کر بنی ہوئی بڑی سڑک سے گزرتی ہے۔ اندرونی سڑکیں اکثر بند ہی رہتی ہیں۔ کبھی کسی مکان کی تعمیر کی وجہ سے، کبھی گڑھوں کی وجہ سے اور کبھی محلے کے نوعمر لڑکوں کی وجہ سے جو سڑک کو دونوں طرف سے بند کر کے کرکٹ کھیلنے کا شوق پورا کرتے ہیں۔۔۔ ٹیکسی اور رکشہ والے بھی ان سڑکوں پر آنا پسند نہیں کرتے۔ صرف وہ ڈرائیور ان سڑکوں پر آتے ہیں جنہیں پہلی بار اس علاقے کی سواری ملی ہو۔

دروازے بند کر کے جب میں اُن کے ساتھ نیچے اُترا تو کیچڑ میں لت پت ایک بڑی اسٹیشن ویگن دروازے کے ساتھ ہی لگی کھڑی تھی۔ شاید انہیں میرا گھر تلاش کرنے میں بڑی دشواری سے گزرنا پڑا تھا۔

سب کچھ ایک خواب کی طرح ہو رہا تھا۔ بعض نامعلوم ضابطوں کے تحت عدالت کا بلاوا، اچانک کچھ لوگوں کا گھر پر حملہ آور ہونا، سارے سامان کو اُلٹنا پلٹنا اور پھر ایک آدمی کو بلا وجہ، بڑے توہین آمیز انداز سے گرفتار کر کے لے جانا----------

Scanned with CamScanner

۵ جولائی کی دوپہر کو جب کامیاب بغاوت کرنے والی فوج کا سربراہ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے قوم سے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

مخاطب ہونے والا تھا تو میری ملاقات آرٹس کونسل کے ریستوران میں ایک دانشور سے ہوئی تھی۔ میری حالت عجیب تھی، میں شدید قسم کے اضطراب کا شکار تھا۔ اس لیے نہیں کہ فوج نے سیاستدانوں کو حفاظتی حراست میں لے کر ایک بار پھر اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ اس لیے کہ مجھ میں اچانک تبدیلیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ ہر اچانک تبدیلی پر میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت اُس وقت بھی تھی، کسی کو کچھ پتا نہیں تھا کہ راتوں رات کیا ہو گیا ہے۔ اسی دوران اس دانشور نے مجھ سے پوچھا کیا خیال ہے یہ سب کیا ہوا ہے؟۔

"مجھے یہ تو نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے، لیکن ضرور سبز ہو گا۔ بالکل اُسی طرح کا سبز جیسا سُرخ ہم نے اس سے پہلے دیکھا ہے" میری آواز بے اختیارانہ اُونچی اور جذباتی تھی۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ''میرا اندازہ بھی یہی ہے۔"

جناب! یہ واحد تبصرہ ہے جو میں نے تبدیلی کے پہلے دن کیا تھا۔ یہ سب کچھ بے ساختہ ہوا تھا، حالانکہ مجھے کچھ پتا نہیں تھا لیکن میرا خیال تھا کہ ایسا ہی ہونا چاہیے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا۔ یہ تو چیزوں کو جدلیاتی انداز سے دیکھنے کا ایک معمولی کرشمہ تھا۔ شاید اس کے ساتھ میں نے یہ بھی کہا تھا۔ اَب اسلام کی خدمت ہو گی۔ بالکل ویسی جیسی اس سے پہلے دور میں سوشلزم کی ہوئی ہے" جناب! میں نے کیا غلط کہا

تھا، آج ہر شخص یہی سوچ رہا ہے، مجھ سے تو صرف اتنی غلطی ہوئی تھی کہ میں نے اپنی سوچ کو ذرا سی آواز دے دی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے میں اکثر سوچتا رہا ہوں، جب بھی کسی ملک میں مارشل لا لگتا ہے، میں یہی سوچتا ہوں۔ آخر تیسری دنیا کے ملکوں میں فوج کو بار بار اپنے ہی ملکوں کو فتح کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ بار بار کے اس جھگڑے سے تو بہتر ہے کہ مسلح افواج اپنے اپنے ملک میں سیدھا اور صاف اعلان کر دیں کہ ان ملکوں میں اقتدار کا حق صرف اور صرف فوج کو ہے۔ اس طرح ایک تسلسل تو رہے گا۔ بار بار چوری چھپے آنے اور نت نئے بہانے بنانے سے تو اُس کی عزت جو پہلے ہی ختم ہو چکی ہے، بالکل ختم ہو جائے گی۔ نہتے عوام پر حکمرانی تو کوئی ایسا کام نہیں جس کے لیے نت نئی بہانے بازی کا سہارا لیا جائے۔ آپ خود سوچیں۔ مجھ جیسے ادنا حقیقی معنوں میں بزدل اور ایک انتہائی پُر امن شہری کو، جس کو سب سے بڑی مصروفیت پیٹ بھر کمائی کے وسیلے کے تحفظ کے لئے آپ کے معمولی نمک خواروں کی خصیہ برداری کرنا ہے، جو ساری دنیا میں ہونے والی زندہ سرگرمیوں میں شرکت کے لئے صرف ایک اخبار پر انحصار کرتا ہے اور جن ملکوں میں فوجی اقتدار کی روایت کا آغاز ہو چکا ہے یا جو ملک ترقی پزیر کہلاتے ہیں، ان ملکوں میں اخبار کیا ہوتے ہیں؟ حکومت کے ذرخرید غلام، اشتہارات کے بھکاری، مصلحت کوش اور دور اندیش: جی ہاں۔۔۔۔ میں خود بھی یہی ہوں، ایک زرخرید غلام، ایک بھکاری، مصلحت کوش اور دور اندیش۔۔۔ ایک ایسے آدمی کی طلبی، جو کسی سے طلبی کے نوٹس کا ذکر تک نہیں

کرتا، جو موٹر سائیکل کے مِس فائر پر بھی ڈر کر گھنٹوں لرزتا رہتا ہے، اکثر اس حالت میں اس کا پیشاب بھی خطا ہو جاتا ہے، جو کسی بھی تبدیلی کی خبر پڑھ کر اعصابی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے، جیسے خواب میں بھی، مسلح محافظوں سے بھری، چتکبرے رنگوں میں رنگی دیوانہ وار دوڑتی ہوئی گاڑیاں دکھائی دیتی ہیں اور جو ریڈیو کے ساتھ مل کر فوجی ترانے گانے لگتا ہے:

میرا ماہی چھیل چھبیلا--------ہائے نی

جرنیل نی--------- کرنیل نی

میرا ماہی---------

میں خود بھی انہیں خوابوں سے گزرا ہوں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکیں گے، اِن خوابوں کو دیکھتے ہوئے اعصاب پر کیا گزرتی ہے، ہر طرف ایک طوفان اُلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی پانی اور کبھی ریت کا طوفان، خاکی وردیوں میں ملبوس شکاریوں کی ٹولیاں پانی پر منڈلاتے ہوئے پرندوں کا شکار کرتی ہیں---------- بے ہنگم موسیقی کی مسلسل بجتی ہوئی دُھنیں، سنسناہٹ اور دہشت پیدا کرتی ہوئی موسیقی، دھم--- دھم، دھم--- موسیقی پر اُچھلتے، کودتے دیتے۔ وقفے وقفے سے ہونے والے متضاد اعلان، ہاتھ بھیج جاتے ہیں جسم میں درمیان سے اُوپر اور اُوپر سے نیچے تک دوڑتی ہوئی سنسناہٹ لہو کے ساتھ ساتھ دل کی طرف بڑھتی ہے---کبھی کبھی یہ سنسناہٹ بھاری فوجی گاڑیوں کے شور میں دب جاتی ہے اور کبھی صاف سنائی دیتی ہے۔ میرا

مقصد کسی پر الزام تراشی نہیں، میں آپ کو صرف پوری صورتحال سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں---آخر آنکھ کھل جاتی ہے، پورا بستر بھیگا ہوا ملتا ہے-----شانے کی کمزوری نے زیادہ اثر دکھایا یا ہولناکی کے اُتار چڑھاؤ نے کوئی ایک بات، وہ بھی جو حقیقت ہو اور وہ بھی جو نہ ہو کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا پھر پھر کچھ لوگ گھر میں داخل ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے الگ پڑے ہوئے اعضا کو اکٹھا کرتے ہیں ار بکھرے ہوئے ایک نیم مردہ جسم کو گاڑی میں ڈال کر چل دیتے ہیں---اسی طرح، بالکل اسی طرح مجھے گاڑی میں ڈالا گیا---لیکن اس سے پہلے کہ تیز رفتاری سے گھومتے ہوئے پہیے کیچڑ اُڑاتے ہوئے آگے کی طرف بڑھتے، میں نے کبھی نہ کھلنے والی اُن منجمد کھڑکیوں، خوف اور احتیاط سے ڈھکے ہوئے شیشوں اور بالکنیوں میں لٹکے پھٹے ہوئے پردوں کے پیچھے سے جھانکتی پھیلی ہوئی اُن زردی مائل دہشت زدہ آنکھوں کو دیکھ لیا، نا وقت بیداری کی تھکن اور بلا وجہ ہمدردی کے پھیلاؤ کے درمیان، مضحکہ خیز انداز میں لٹکے ہوئے اُن چہروں پر میں نے پہلی بار اپنائیت کے اُس اجنبی احساس کو دیکھ لیا۔ ہمدردی، مایوسی اور لاچاری کی آمیزش نے اُن چہروں کی بچی کھچی طمانیت کو بھی دھندلا دیا تھا۔ لیکن وہ سب کچھ اب کسی کام کا نہیں تھا میں نے بہت دیر کر دی تھی۔

دیرینہ لاتعلقی کے باوجود، وہ سب کچھ جان چکے تھے۔ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے، ایسا کیوں ہو رہا ہے، انہیں سب پتا ہوگا۔ ممکن ہے انہیں یہ بھی پتا ہو کہ صرف ایک رات پہلے، سرسری سماعت کی ایک عدالت سے مجھے حاضری کا ایک نامکمل

حکمنامہ بھی مل چکا ہے۔ ممکن ہے انہوں نے حاضری کے اس حکم نامے کو لانے والے کو بھی دیکھا ہو، ممکن ہے وہ کوئی غیر معمولی ہرکارہ ہو، جسے وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہوں۔ اسی لیے ممکن ہے وہ کوئی غیر معمولی چیز، جو اُس وقت میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہو، مجھے بتانا چاہتے ہوں دھندلائے ہوئے شیشوں اور پھٹے ہوئے پردوں کے عقب سے ہونے والے اشاروں کا، میں اس کے سوا اور کیا مطلب اخذ کر سکتا تھا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ اگر میں اُس خاص صورتحال میں نہ ہوتا تو ان اشاروں کی طرف کوئی دھیان ہی نہ دیتا، اور بغیر کسی تردد کے فرض کر لیتا کہ اُن اشاروں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن شاید آپ کو علم ہو، میں تو اس پر یقین کر چکا ہوں۔ مفتوح لوگ، چاہے وہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں تاراج ہو رہے ہوں، ایک دوسرے سے ایک خاص نوع کی ہمدردی رکھتے ہیں۔ لیکن مسلسل لاتعلقی اور اپنی ہی دنیا میں کھوئے رہنے کی وجہ سے، میں اُن اشاروں اور اُن کی معنویت سے کٹ چکا تھا۔ پھر بھی تمام تر مضحکہ خیزی اور فاصلے کے باوجود اُن اشاروں میں دوستی اور تعلق کے بظاہر مسخ جذبے کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ بار بار کھلتے اور بند ہوتے ہوئے دہانے شاید وہ کھڑکیوں، برآمدوں، دروازوں اور بالکونیوں کے پیچھے چیخ رہے تھے۔۔۔۔ لیکن اب ہر بات بے معنی ہو چکی تھی، تاہم ساری لاتعلقی کے باوجود میں نے اُس بات کو پوری طرح محسوس کر لیا تھا جو وہ کہنا چاہتے تھے، یہی کہ میری زندگی ایک غیر معمولی خطرے سے دوچار ہے۔ تیز رفتاری سے دوڑتی اور کیچڑ اڑاتی ہوئی ویگن کے فرش پر

کتابوں اور کاغذوں کی گٹھڑیوں کے درمیان پڑا ہوا میرا جسم اس بات کا کُھلا ثبوت تھا کہ اُن کا اندازہ درست ہے۔ انہوں نے مجھے اس طرح اپنے قدموں میں ڈال رکھا تھا جیسے دیہاتی سفر کے دوران اپنے پوٹلوں کو اپنے پیروں کے درمیان رکھتے ہیں۔

گاڑی کو کہیں رُکنا نہیں پڑا تھا۔ شاید گاڑی جن سڑکوں سے گزر رہی تھی وہ بالکل خالی پڑی تھیں۔ ممکن ہے شہر میں کرفیو لگا ہوا ہو۔ لوگوں کی نقل و حرکت پر پابندی ہو اور صرف قانون کا نفاذ کرنے والوں کو کُھلا چھوڑ دیا گیا ہو۔

کوئی نصف گھنٹے تک ایک ہی رفتار سے دوڑنے کے بعد اسٹیشن ویگن رُک گئی۔ ہمارے پیچھے ایک بڑا گیٹ تھا اور گاڑی ایک احاطے میں کھڑی تھی گیٹ کے ساتھ ساتھ ایک بیرک تھی اور سامنے ایک تین منزلہ عمارت۔ طویل عرصے تک اُس شہر میں رہنے کے باوجود میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ عمارت شہر کے کس حصے میں واقع تھی، میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پاتال کی طرف میرے سفر کی ابتدا ہو چکی تھی۔

ابھی تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی لیکن میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ معتدل موسم کے باوجود مجھے پسینہ آ رہا تھا حالانکہ میں خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

گاڑی سے اُترتے ہی اُن میں سے ایک نے مجھے کالر سے پکڑ لیا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا گیٹ کے پاس بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گیا۔ جہاں ایک رجسٹر میں کچھ اندراجات کیے گئے اور پھر مجھ سے دستخط لیے گئے آگے کا سفر اُسی کمرے کے عقبی دروازے سے شروع ہوا۔

Scanned with CamScanner

تین کمروں سے گزرنے کے بعد ایک برآمدہ، برآمدے سے آگے ایک دالان اور اُس سے آگے ایک دو منزلہ عمارت، جس کے سامنے ایک چھوٹا سا لان بھی تھا۔ خاکی وردیوں اور سول کپڑوں میں ملبوس لوگ ہر جگہ ٹہل رہے تھے گو یا یہ کوئی سیدھا سادہ سول معاملہ نہیں تھا۔ ایک لمحے کے لیے میں اُن کی نظروں کا مرکز بنا اور پھر سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ میں اس بات کا اعتراف ضرور کروں گا کہ زندگی میں پہلی بار مجھے اتنی اہمیت حاصل ہوئی تھی۔ آخر انہوں نے مجھے ایک کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا اس کے بعد وقفے وقفے سے کئی بار دروازہ کُھلا اور بند ہوا۔ شاید دو یا تین بار یا ممکن ہے اس سے زائد بار مختلف چہرے دروازہ کھولتے، مجھے دیکھتے اور دروازہ بند کر کے چلے جاتے اُن کا انداز عجیب تھا۔ عام حالات میں اگر کوئی میرے ساتھ اس طرح پیش آتا تو میں کبھی برداشت نہ کرتا۔ آپ خود سوچیں کیا آپ اسے برداشت کر سکتے کوئی بھی ہوتا تو برداشت نہ کر سکتا۔ لیکن میں نے اسے برداشت کیا، ہر بار دروازہ کُھلنے پر میں سر اُٹھاتا اور دروازہ بند ہونے پر جھکا لیا اس کے سوا میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ بہت دیر تک کوئی نہیں آیا۔ میں فرش پر اکڑوں بیٹھے بیٹھے تھک گیا کمرے میں لگی ہوئی ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ کمرے کی چھت غیر معمولی طور پر اُونچی تھی، جیسی کہ عام طور پر پُرانی عمارتوں کی ہوتی ہے۔ دروازے کے سامنے کی دیوار میں چھت سے قریب روشن دان سے دکھائی دیتا ہوا آسمان کا نیلگوں ٹکڑا کبھی کبھی بادلوں کی اوٹ میں آ جاتا تھا۔ پھر شاید بارش شروع ہو گئی کیوں کہ اب روشندان سے آتی

ہوئی معمولی روشنی کی بجائے بارش کی مخصوص خوشبو تمام پابندیوں کے باوجود کمرے میں آنے لگی تھی۔ وقت بڑی آہستگی سے گزر رہا تھا اور میں اب تک یہ نہیں جان پایا تھا کہ اس پوری کارروائی کا مقصد کیا ہے، مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے سب سے زیادہ حیرت اور پریشانی مجھے اس بات کی تھی کہ آخر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ غلامو کا بیٹا غلام میں ہی ہوں، لیکن آپ خود سوچیں کہ نام کی تبدیلی کوئی ایسا جرم تو تھا نہیں کہ میرے خلاف اس طرح کی کارروائی کی جاتی ہر چند کہ یہ ایک ایسی بات ضرور تھی جسے میں نے سب سے چھپایا تھا، لیکن آج مجھ پر یہ بات پوری طرح منکشف ہے کہ یہ محض میری خوش فہمی تھی کہ میں خود کو ایک نئے نام کے ذریعہ چھپانے میں کامیاب ہوں۔ کوئی ایسا ضرور تھا، جو اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ میں غلام ہوں۔ ممکن ہے ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ رہی ہو۔ لیکن اتنی سی بات پر، ایسی کارروائی نہیں ہو سکتی تھی جو میرے خلاف کی گئی۔

بارش ہونے کی بڑی دھیمی آواز بند کمرے کے اندر بھی سنائی دے رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا یہ کون سا ادارہ ہو سکتا ہے قانون کا نفاذ کرنے والے ادارے بھی تو بہت سے ہیں۔ بہر صورت یہ پولیس کی کارروائی نہیں ہے۔ اسپیشل پولیس ہو گی یا انٹیلی جنس یا کوئی نیا ادارہ۔۔۔۔ کوئی بھی ہو، دیکھنا تو یہ ہے کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی گرفتاریاں اب اس ملک میں کوئی نئی بات تو رہیں نہیں۔ سات افراد کا وہ خاندان جس نے ایک ساتھ خود کشی کی اسی طرح کی گرفتاری کا شکار ہوا تھا۔ آپ نے وہ خبر تو ضرور پڑھی ہو گی۔ کئی سال گزرنے کے باوجود اُس کی ایک ایک

Scanned with CamScanner

تفصیل مجھے پوری طرح یاد ہے۔ ان خودکشی کرنے والوں میں ایک پچپن سالہ عورت، اُس کا چھتیس سالا بیٹا تمیں سالہ بہو، گیارہ سالہ پوتی اور بالترتیب دس نو اور آٹھ سالہ پوتے شامل تھے اس عورت کے بیٹے کو اسپیشل والوں نے اسی طرح گرفتار کیا تھا، جس طرح مجھے کیا گیا۔ پھر اُس پر تشدد کیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ ایک ایسی چوری کا اعتراف کرلے جو اُس نے کی نہیں تھی، تشدد سے بچنے کے لئے وہ چوری کا اعتراف تو کرسکتا تھا، لیکن لاکھوں روپے کی اس چوری کا سامان یا اُس کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم وہ کہاں سے لاتا اس لیے اُس نے اعتراف نہیں کیا، ایک جھوٹا اعتراف بھی اُس کے لئے ممکن نہیں تھا تشدد کرنے والوں نے اُس پر کیے جانے والے تشدد کو ناکافی سمجھتے ہوئے نیا طریقہ اپنانے کا فیصلہ کیا اور اُس کی ماں اور بیوی کو بچوں سمیت اُٹھا لیا۔ پھر اُس کی بیوی، ماں اور بچوں کے سامنے اُس پر تشدد کیا گیا۔ ممکن ہے آپ اس پر یقین نہ کر رہے ہوں، لیکن یہ ایک سچا واقعہ ہے، عدالت کے پاس اس کا ریکارڈ موجود ہے۔ اس واقعے کی ہر تفصیل خود تشدد کرنے والوں میں سے ایک کے اعترافی بیان کی تصدیق حاصل کر چکی ہے۔ اس واقعے کی ہر تفصیل خود تشدد کے ذریعے نہیں، بلکہ وعدہ معافی کے لالچ کی بنیاد پر دیا گیا۔ نئے طریقے کے تحت دونوں عورتوں کو اس مرد کے سامنے برہنہ کیا گیا، حالانکہ وہ اُن میں سے ایک کا بیٹا اور ایک کا شوہر تھا۔ آپ اس پر حیران ہو رہے ہوں گے، لیکن انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اُس کے سامنے جو بیٹا بھی تھا اور شوہر بھی، اُن عورتوں کے پستانوں کو نوچا گیا اور اُن کی شرمگاہوں میں

انگلیاں اور لکڑیاں ڈالی گئیں۔ ممکن ہے اس تشدد کی جسمانی اذیت قابل برداشت ہو لیکن اُس کی اخلاقی اذیت کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ سب اس لیے کیا گیا کہ وہ ایک ایسی حرکت کا اعتراف کر لے جو اُس نے کی ہی نہیں تھی۔ وہ اعتراف کیوں کرانا چاہتے تھے؟ اس لیے نہیں کہ انہیں قانون کے نفاذ سے دلچسپی تھی یا وہ اپنے فرض کو انتہائی ممکن حد تک پورا کرنا چاہتے تھے بلکہ اس لیے کہ انہیں ایسا کرنے کے لئے ایک مل کے مالک نے اضافی رقم فراہم کی تھی اور وہ اس رقم کا معاوضہ ادا کر رہے تھے، حقائق تک پہنچنا اُن کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس روز اُس آدمی پر اتنا تشدد کیا گیا کہ اُس کی حالت بگڑ گئی جس کے بعد انہوں نے اُس سارے خاندان کو گھر پہنچا دیا اور دوسرے دن پھر حاضر ہونے کی ہدایت کی۔ اپنے آپ پر اعتماد کی یہ انتہا ہے۔ انہیں یہ اعتماد کس طرح حاصل ہوا کہ اُن کے خلاف قانون کا نفاذ کرنے والے کسی اور ادارے سے رجوع نہیں کیا جائے گا اور واقعی اُن کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ تشدد اور بے رحمی کا شکار ہونے والے ان لوگوں نے کسی ادارے سے شکایت نہیں کی، کسی کو کچھ نہیں بتایا، صرف اتنا کیا کہ اپنے رات کے کھانے میں زہر ملا لیا۔ خود بھی کھایا اور بچوں کو بھی کھلا دیا۔ صرف سب سے چھوٹا بچہ جو گھر آتے ہی سو گیا تھا۔۔۔۔ غالباً کم کھانے کی وجہ سے بچ گیا اور اُسی کی وجہ سے آخر کار اس سارے واقعے کا انکشاف ہوا۔

اس کے بعد بہت کچھ ہوا۔ لاشوں کا پوسٹ مارٹم ہوا، شہر میں جلوس نکلے، امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوا، لاٹھی چارج ہوئے، آنسو گیس پھینکی گئی، حکومت نے ہر

Scanned with CamScanner

قیمت پر امن وامان قائم رکھنے کے عزم کا اظہار کیا، عدالت میں کارروائی ہوئی، ٹریبونل قائم کیا گیا، سرکار خود مدعی بن گئی۔ لیکن ان ساری باتوں سے کیا چیز غلط ہو سکتی تھی، چھ افراد کی موت یا توہین اور ہزیمت کا وہ احساس جس نے اکٹھے بیٹھ کر زہر کھانے اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کو زہر کھلائے جیسی بات کو نجات کا واحد ذریعہ بنا دیا۔ کیا جواب ہے آپ کے پاس؟ ظاہر ہے کوئی جواب نہیں ہوگا---------میں نے بھی اس کے بارے میں بہت سوچا۔ دنیا کی کوئی سزا اُس توہین اور ہزیمت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ پھر اُس بچے کے بارے میں سوچیں، اُس آٹھ سالہ بچے کے بارے میں جسے زندہ بچا لیا گیا۔ اس کی باقی زندگی کے بارے میں سوچیں، آپ اس سے کیسا انسان بننے کی اُمید کر سکتے ہیں؟ انسانوں اور وطن کی محبت اور قانون کے احترام کے لئے اس کے دل میں کیسے جذبات پیدا ہوں گے؟ قانون کا نفاذ کرنے والوں کے بارے میں وہ کیسی سوچ لے کر بڑا ہوگا؟

آپ خاموش ہیں۔ آپ کی خاموشی بالکل درست ہے، ان باتوں کا جواب صرف خاموشی ہی کے ذریعے دیا جا سکتا ہے۔

میں ان ساری باتوں کو یاد کر رہا تھا کہ ایک بار پھر دروازہ کھُلا باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا، میرے سامنے دو آدمی کھڑے تھے اور میں کونے میں سمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ اجتماعی خودکشی کے واقعے کی تفصیل یاد کرنے کے عمل نے میرے اعصاب پر عجیب اثر ڈالا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک مجھے دیکھتے رہے اور پھر مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا

اور میں کسی انکار اور بحث کے بغیر اُن کے ساتھ چل دیا۔ مجھے ایک اور کمرے میں بٹھا کر اور دروازے کو باہر سے بھیڑ کر وہ چلے گئے۔ بہت دیر تک کوئی اُس کمرے میں نہیں آیا۔ یہ کمرہ معمولی قسم کے دفتر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ میں قدرے فاصلے پر رکھی ہوئی ایک بڑی میز کے سامنے بیٹھا تھا اور میری کرسی کے دائیں بائیں پانچ کرسیاں رکھی تھیں بازوؤں والی عام سی کرسیاں۔ ایک بار پھر مجھے یہی سوال پریشان کر رہا تھا کہ آخر اُن کو کیسے معلوم ہوا کہ میں غلام ولد غلام ہوں۔ کون ہو سکتا ہے جس نے انہیں میرے بارے میں اس قدر درست معلومات فراہم کی ہیں؟ اگر انہیں یہ تک معلوم ہے کہ میں نے اپنا پیدائشی نام تبدیل کر لیا ہے تو انہیں اور سب کچھ بھی معلوم ہوگا اور اگر انہیں اور سب کچھ معلوم ہے تو پھر مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ میرے نقصان دہ یا بے ضرر ہونے کا اُن سے زیادہ اور کسے علم ہوگا؟ جن سے میرا تیس برس پہلے کا نام چُھپا ہوا نہیں اُن سے اور کیا چھپ سکتا ہے۔" جس قدر زیادہ میں اس بارے میں سوچ رہا تھا، اُسی قدر میری اُلجھن بڑھ رہی تھی اور اُسی قدر میری بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اچھا تو یہ لوگ تمہیں لے آئے۔" کسی نے دروازے سے اندر داخل ہو تے ہوئے کہا اور میں اک دم چونک گیا۔ اس طرح چونکنا میری ایسی کمزوری تھی کہ کئی بار دوسروں کی ہنسی کا نشانہ بننے کے باوجود میں اس پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں کسی کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار جا رہا ہوں، موٹر سائیکل نے مِس فائر کی آواز پیدا کی اور میں اتنی زور سے چونکا کہ موٹر سائیکل لڑکھڑا کر کسی دوسری گاڑی سے

Scanned with CamScanner

ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ ایک عجیب سی خجالت سے دوچار ہونا پڑا ہے مجھے۔ لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟ توجیہات تلاش کرنے کے باوجود میں اس کی اصل وجہ نہیں جان سکا۔ ممکن ہے اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ میں اپنے آپ میں گم رہتا ہوں، اس لیے میرے اعصاب باہر سے پیدا ہونے والی کسی اچانک آواز کو سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

"ڈرو نہیں۔۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے دوست بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ابھی بات آگے نہیں بڑھی۔ سب کچھ تمھارے ہاتھ میں ہے۔ کچھ چھپانا بے سود ہے ہمارا تو برسوں سے دن رات یہی کام ہے۔ حکومت کوئی بھی ہو ہمارا کام جاری رہتا ہے، کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف۔ یہ الگ بات ہے کہ تمھیں پہلی بار ان مراحل سے گزرنا پڑے گا۔" اُس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا اور "مراحل" کا لفظ بڑے معنی خیز انداز میں ادا کیا تھا۔ میں مسلسل اُس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ میری طرف دیکھنے کی بجائے میز سے ٹکا بڑے انہماک سے اُس پیپر ویٹ پر نظریں جمائے اُس کے اندر بنے ہوئے پھولوں کا جائزہ لے رہا تھا، جو اُس کے ہاتھ میں تھا۔ باہر سے آنے والا کوئی بھی شخص اُس کو اس حالت میں دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ وہ میری بجائے اس پیپر ویٹ ہی سے مخاطب ہے۔ معمولی سے وقفے کے بعد اُس نے دوبارہ بولنا شروع کیا "سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے دیکھو یار: ہم لوگ بھی انسان ہیں، ہمارے بھی بچے ہیں، بھائی بہنیں ہیں، دوست احباب اور رشتے دار ہیں، ہمارے اندر بھی ہمدردی اور بُرے بھلے کی تمیز ہوتی ہے۔ لیکن نوکری بہرصورت اپنی

جگہ ہے۔ ہم بھی کسی کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اگر ہم آنکھیں کُھلی نہ رکھیں تو ہماری نوکری تو ایک دن نہ چلے۔ ہماری پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ سارے معاملے نرمی سے طے پا جائیں۔ لیکن ظاہر ہے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ہر آدمی کا اپنا طریقہ کار ہوتا ہے۔ یہ تو محض اتفاق ہے کہ تم لوگوں کا کیس میرے حوالے کیا گیا ہے۔۔۔۔ کوئی اور ہوتا تو اس گفتگو کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا۔ ابھی ساری باتوں کا علم اعلیٰ حکام کو نہیں ہوا، لیکن ہمیں علم ہے تم جو کچھ کرتے ہو، کرنا چاہتے ہو، یا کر سکتے ہو ہمیں پتا ہے کہ اس ملک میں ہر کوئی مال بنا رہا ہے، اپنوں کے لئے اور اپنے لیے، لیکن تم لوگ پتا نہیں کس چکر میں پڑے ہو۔ میں خود ایک زمانے تک یہی خیالات رکھتا تھا لیکن زندگی انسان کو بہت کچھ سکھاتی ہے۔ سب لا حاصل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے جا کر ایک مختلف زندگی شروع کرو اور اس کے لئے ابھی وقت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم سب کچھ خود بتا دو، کیا پروگرام ہے۔ انقلاب اب کتنی دور ہے ظاہر ہے تم تو اُس کی آواز سن رہے ہو گے۔ سب کچھ صاف صاف بتا دو تو یہ جگہ جنت کا دروازہ ثابت ہو سکت ہے"۔ اس کا لہجہ بے تکلف دوستوں جیسا تھا۔

تھوڑے سے وقفے کے بعد اُس نے پھر کہا"۔ یہی دروازہ جس سے تمھیں لایا گیا ہے۔ خوشیوں کا دروازہ ثابت ہوگا اور اس دروازے سے باہر ایک جنت تمھارا انتظار کر رہی ہے۔ صرف تعاون شرط ہے۔ ورنہ تمھیں تو علم ہے کہ اگر تمھیں اُن کے ہاتھ میں رہنے دیا جاتا جو تمھیں لائے ہیں تو اب تک نہ جانے تم کس مرحلے سے گزر

Scanned with CamScanner

رہے ہوتے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں صرف اتنا لکھوں گا: اعتراف نہیں کیا۔ ذاتی طور پر مجھے سب پتا ہے لیکن میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمھارا طرزِ عمل کیسا ہے، تم کس قدر تعاون کر سکتے ہو۔۔۔۔اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے جنت یا جہنم۔۔۔۔ آئندہ تمہیں کہاں رہنا ہے۔"" وہ چپ ہو گیا۔ ایسی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ جیسے میرے بولنے کا انتظار کر رہا ہو۔

"جنت یا جہنم"۔۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اب تک کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ ہر لمحے چھائی رہنے والی بے یقینی کی وجہ سے میں ہمیشہ ان ساری باتوں کو فضول ہی سمجھتا رہا۔ آدمی دوسروں کے ساتھ اچھا رہے دوسرے بھی اچھی طرح پیش آتے ہیں۔ یہی جنت ہے اور یہی جہنم میں ہی سمجھتا تھا---------- لیکن جس جنت اور دوزخ کی بات وہ کر رہا تھا، وہ اس جنت اور دوزخ سے بالکل مختلف تھے۔ ایک بار پھر وہی کہانی میرے ذہن میں گھوم گئی، جسے میں تھوڑی دیر پہلے نچلے کمرے میں بیٹھا یاد کر رہا تھا------ جہنم------ ایک سرد لہر گُدی سے نکل کر ریڑھ کی ہڈی سے ہوتی ہوئی نیچے سرک گئی۔۔۔۔

اس کے باوجود مجھے ایک حوصلہ تھا۔ اُس نے خود کہا تھا اُسے ہر بات کا ذاتی علم ہے۔ اگر اس نے یہ بات محض اپنی انا کی تسکین کے لئے کہی ہے تو جلد ہی انہیں اس بارے میں پتا چل جائے گا۔ اس لیے جلد یا بدیر انہیں مجھے چھوڑنا ہی پڑے گا۔ یوں بھی میرے پاس انہیں بتانے کے لئے کیا ہے، میرا گھر تو وہ برباد کر ہی چکے ہیں، نہ

جانے کتابیں کہاں ہوں گی، کیسٹ کس حال میں ہوں گے، رہائی کے بعد کیا ملے گا کیا نہیں ملے گا۔۔۔۔اگر نہ ملیں تو یہ کتابیں دوبارہ کہاں سے حاصل کروں گا؟

"سوچ لو-------اچھی طرح سوچ لو لیکن ظاہر ہے بہت زیادہ وقت ہمارے پاس نہیں۔" وہ بڑی آسانی سے اپنے بارے میں واحد متکلم اور کبھی جمع متکلم کے لفظ استعمال کر رہا تھا لیکن وہ کیا سوچ رہا تھا اور میں کیا۔۔۔۔:

"دیکھیں جناب میں آپ سے پوری طرح تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں ایک شریف آدمی اور پُر امن شہری ہوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تعاون کرنا میری اخلاقی ذمہ داری ہے لیکن آپ نے جو کچھ پوچھنا ہے، واضح انداز میں پوچھیں۔ اگر آپ سوال ہی مبہم کریں گے تو ظاہر ہے میں جواب کیا دوں گا اور کوئی دوں گا بھی تو اُس سے آپ کا مقصد کیا پورا ہوگا"۔ زندگی ہر قدم پر فیصلہ چاہتی ہے اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں بہر صورت انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ میرے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے میں اُن کو بڑی آسانی سے بتا سکتا تھا، کیونکہ جس چیز کو میں نے اب تک سب سے زیادہ چھپایا تھا اس کا اُنہیں پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ اب کوئی بات ایسی نہیں تھی کہ وہ پوچھنا چاہتے اور میں چھپانے کی کوشش کرتا اس لیے کسی بھی اُلجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"ویری گڈ------- مجھے تم سے اسی کی توقع تھی------- میں تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا تم تنگ نہیں کرو گے۔ پتا نہیں تم کیسے پھنس گئے اُن لوگوں میں، خیر.

Scanned with CamScanner

---غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے، لیکن تم نے اچھا کیا کہ اس سے انکار نہیں کیا کہ تم اُن لوگوں میں شامل ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو تمھارے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ کیا ہوا۔ آخر کار انہوں نے ہمیں سب کچھ بتا دیا، سارے منصوبے کے بارے میں تنظیم اور اس کے طریقہ کار کے بارے میں۔ اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جو لوگ اقتدار میں آتے ہیں وہ ہر جگہ اپنے آدمی رکھتے ہیں، اس لیے اُن سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں رہتی۔ اسی لیے میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو، اُنہیں اس بارے میں ہر چیز معلوم ہے اور مجھے تو صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ تمہیں کیا کام سونپا گیا تھا، اس سلسلے میں تم سے کون کون رابطہ قائم کرتا رہتا اور تمہیں کس کس سے ملنے کے لئے کہا جاتا تھا بس اتنی سی بات ہے، اس کے بعد میں تمہیں چھوڑنے کی پوزیشن میں آ جاؤں گا۔ میں خود تو نہیں چھوڑ سکتا لیکن میں اس سلسلے میں سفارش کر دوں گا۔" دیکھا آپ نے، وہ سراسر زیادتی کر رہا تھا۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ میں نے اُن لوگوں کے ساتھ ہونے کا اعتراف کر لیا ہے، جو اس تفتیش کار کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکے تھے۔ مجھے اب تک پتا نہیں کہ اُس نے میری کس بات سے یہ فرض کر لیا کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے۔ لیکن ان کا طریقہ کار یہی ہے وہ کچھ سمجھنے اور سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے آپ کچھ بھی کہیں، آپ کی آواز اُن تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے باوجود میں نے اُسے پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ اُس نے غلط اندازہ لگایا ہے، میں نے کوئی اعتراف نہیں کیا، مجھے تو یہ نہیں

پتا کہ وہ کن لوگوں کی بات کر رہا ہے۔ میں کسی تنظیم کے بارے میں نہیں جانتا، میرا پیشہ صحافت ہے اور اس کے علاوہ میرا تعلق ادب، شاعری، موسیقی ڈرامے اور مصوری سے ہے اور میری کوشش ہوتی ہے کہ انہی شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے زیادہ ملوں، اس کی انتہا یہ ہے کہ مجھے صحافت میں بھی کوئی مقام بنانے سے دلچسپی نہیں، اس لیے میں صحافت سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے بھی گریز کرتا ہوں اور اُن میں بھی صرف مخصوص لوگوں سے ملتا ہوں۔

"اچھا---محب وطن قومی محاذ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"محب وطن قومی محاذ——حزبِ اختلاف کی جماعتوں کا ایک اتحاد ہے—— حکومت کا مخالف ہے اور ملک میں جمہوریت کی بحالی چاہتا ہے اور حکومت کی پالیسیوں میں غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔" میں نے جان بوجھ کر فوجی حکومت کی جگہ صرف حکومت کا لفظ استعمال کیا، حالانکہ مجھے کیا پورے ملک کو بلکہ ساری دنیا کو پتا تھا کہ محب وطن قومی محاذ آئین، جمہوریت اور سیاسی جماعتوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی چاہتا ہے۔ یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ پابندی کے باوجود اخباروں میں کبھی کبھار محب وطن قومی محاذ کے لیڈروں کے بیانات شائع ہوتے رہتے تھے۔

"یہ تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"کسی نے نہیں---میں اخبار میں کام کرتا ہوں اور اخبار میں وہ اطلاعات بھی آتی ہیں جو سنسر اور محکمہ اطلاعات سے روزانہ جاری ہونے والے

مشوروں کی وجہ سے شائع نہیں ہوتیں۔"

"اس کا لیڈر کہاں ہے اور یہاں اسے کون چلا رہا ہے؟"

"مجھے اس کا علم نہیں۔ محاذ والے کہتے ہیں کہ اُسے گرفتار کر لیا گیا تھا، لیکن حکومت اس سے انکار کرتی رہی ہے۔ تاہم محاذ کے لوگوں کا اصرار ہے کہ وہ اب تک حکومت کی تحویل میں ہے، اگر اُسے ختم نہیں کر دیا گیا تو۔۔۔

"تم اُس سے کہاں ملے تھے؟"

"میں اُس سے کبھی نہیں ملا —— مجھے اُس سے ملنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"دیکھو! چالاک بننے کی ضرورت نہیں:"

"میں نے چالاکی کی کوئی بات نہیں کی۔ آپ نے جو کچھ پوچھا ہے میں نے صاف صاف بتا دیا ہے۔"

"آ گئے اپنی اوقات پر —— تم سارے ایک جیسے ہوتے ہو۔ طوطے کی طرح ایک جیسی رٹی رٹائی گفتگو۔ تمھاری بھی لگتا ہے خوب اچھی طرح تربیت کی گئی ہے۔"

"دیکھیں جناب آپ مجھے جانے دیں —— آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کسی اور کے دھوکے میں مجھے پکڑ لائے ہیں۔۔۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ میرا سامان واپس کریں اور مجھے واپس پہنچا دیں اور اس سلسلے کو یہیں ختم کریں میں بھی یہ سمجھ لوں گا کہ میں نے کوئی خواب دیکھا ہے۔"

"ضرور ضرور —— لیکن یہ تو بتاؤ کہ اخبار کون نکالتا ہے اور اُسے کہاں

چھپوایا اور کیسے تقسیم کیا جاتا ہے؟"

"اخبار ادارہ نکالتا ہے۔ میرا کام تو میگزین مرتب کرنا ہوتا ہے۔ باقی اور لوگ ہوتے ہیں۔۔۔ ڈیڑھ دو سو لوگ، ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر، اسسٹنٹ ایڈیٹر سب ایڈیٹر، خوش نویس، آرٹ ایڈیٹر اور دوسرے بہت سے شعبے جو اخبار کی ترتیب سے سر کلیشن تک کا کام کرتے ہیں۔ اخبار کو لوگوں تک پہنچانے کا کام ایجنٹ اور اخبار فروش کرتے ہیں لیکن یہ سب باتیں آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ یہ باتیں تو شعبہ صحافت کے کسی طالب علم سے بھی پوچھی جا سکتی ہیں۔"

"دیکھو میں شرافت کا مظاہرہ کر رہا ہوں، اس لیے مجھ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرو، میری شرافت کا فائدہ اٹھاؤ۔ میں اُس اخبار کی بات نہیں کر رہا جس میں تم ملازم ہو، بلکہ محاذ کے اخبار کی بات کر رہا ہوں۔ تم اُس میں کیا کرتے ہو؟"

"کیا محاذ والوں کا بھی کوئی اخبار نکلتا ہے؟ ہاں ایک اخبار اُن کی ہم نوائی ضرور کرتا تھا لیکن اب اس پر دوسرے اخباروں کے برخلاف پری سنسر شپ ہے انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ والے چھپنے سے پہلے اُس کے ایک ایک لفظ کو پڑھتے ہیں۔ مجھے نہیں پتا کہ اس اخبار کے مالکوں کا محاذ کے لوگوں سے کوئی تعلق ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اخبار کا ایک الگ تشخص بنانے کی کوشش ہے، جس کا تعلق نیک نیتی سے زیادہ مالی مفادات سے ہے۔"

"تم ابھی کل کے بچے ہو —— اور مجھے پڑھانے کی کوشش کر رہے

Scanned with CamScanner

ہو۔۔۔۔۔۔۔ خیر تمہارے پاس کون کون آ کر رہتا رہا ہے؟"

"چونکہ میں اکیلا رہتا ہوں، اس لیے بہت سے لوگ میرے ہاں آ کر رہتے رہے ہیں اب بھی رہتے ہیں جس کسی کو بھی کسی وجہ سے زیادہ دیر ہو جاتی ہے وہ رات گزارنے کے لئے میرے گھر آ جاتا ہے، لیکن یہ سب لوگ شاعر ادیب یا مصور وغیرہ ہی ہوتے ہیں۔"

"ان کے علاوہ؟"

"ان کے علاوہ۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں۔"

"ان کے علاوہ تمہارے ساتھ کون رہتا رہا ہے۔"

" کئی سال پہلے جب میں ایک اور فلیٹ میں رہتا تھا تو میرا ایک دوست اور اُس کی بیوی۔۔۔ کیوں کہ وہ فوری طور پر کرائے کا مکان لینے کی پوزیشن میں نہیں تھے اس لیے میرے ساتھ رہتے رہے۔۔۔ اب وہ اپنے مکان میں جا چکے ہیں۔"

"اچھا۔۔۔۔۔۔۔ کیا تمہیں پتا ہے میں دنیا میں کب آیا ہوں؟"

" کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں اس دنیا میں جس میں تم رہ رہے ہو کل نہیں آیا، طبعاً قدرے مختلف ہونے کے باوجود میں ہر چیز کے بارے میں جانتا ہوں، اس کا اندازہ تمہیں اب تک اچھی طرح ہو چکا ہوگا۔ لیکن اگر میں نے تمہیں اُن کے حوالے کر دیا تو تمھاری ہڈیاں بھی کسی کو دیکھنے کے لئے نہیں ملیں گی۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ مقصد کے لئے موت شہادت ہوتی ہے، لیکن یہاں تم کتے کی موت مرو گے۔ شاید تم نے اب

تک کسی کتے کو مرتے ہوئے نہ دیکھا ہو لیکن تم تو خود کو ادیب اور شاعر کہتے ہو پھر تمہیں مصوری سے بھی دلچسپی ہے، ذرا اپنے ذہن میں کتے کی موت کا تصور لاؤ۔۔۔ کوشش کرو۔۔۔ تم اپنے ذہن میں اُس کی کوئی تصویر نہیں بنا سکو گے۔۔۔۔ نہیں بنا سکے نا؟ ۔۔۔ تمہیں واقعی تجربہ نہیں اور جب تک آدمی کو اُس دنیا کا تجربہ نہ ہو، جس میں وہ رہ رہا ہے، وہ صحیح فیصلوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میرا کیا ہے میں اپنے پاس سے تمھارا ایک بیان لکھ دوں گا۔ اتنی تخلیقی قوت تو میرے پاس بھی ہے اس کے بعد میرے لیے ترقی کے اور تمہارے لئے جہنم کے دروازے کُھل جائیں گے۔ اب تم چونکہ جہنم کے بارے میں کوئی عقیدہ اور تصور نہیں رکھتے ہو گے اس لیے تمہیں یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئے گی کہ جہنم کا دروازہ کھلنے کا مطلب کیا ہے لہٰذا میں تمہیں اُن دروازوں کی طرف جانے سے پہلے ایک بار پھر آواز دیتا ہوں۔ تمہارے واپس آنے کے لیے آخری آواز جو کچھ میں نے پوچھا ہے اُس کا صاف اور سیدھا سیدھا جواب دو۔ اسی جواب سے تمہاری واپسی کا سفر شروع ہوگا۔"

" جو کچھ بھی ہو۔ میں جو کچھ بتا سکتا تھا، بتا چکا ہوں۔ آپ لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھ سے وہ سوال بے کار ہیں جو کسی اور سے پوچھے جانے چاہیں، اس کے علاوہ ایک بات آپ لوگوں کو بھی یاد رکھنی چاہیے۔ جتنی دیر آپ مجھے یہاں رکھیں گے خود آپ ہی کے لئے اتنی مصیبت بڑھتی جا ئے گی۔ کچھ عرصے بعد میری تلاش شروع ہو جائے گی اور جس طرح آپ کے لوگ

Scanned with CamScanner

مجھے اُٹھا کر یہاں لائے، اُسے سارے عملے نے دیکھا ہے اور وہ یہ ساری بات مجھے تلاش کرنے والوں کو بتادیں گے۔ پھر یہ سارا معاملہ اُچھلے گا، میں آخر صرف شاعر اور ادیب ہی نہیں ایک بڑے اخبار کا ملازم ہوں اور اخبار کے ملازموں کی یہاں کوئی توقیر ہو یا نہ ہو، باہر کی دنیا میں بڑی ہوتی ہے یہ بات حکومت کے لیے اور حکومت تمہارے لیے بڑی مصیبتیں کھڑی کرے گی!''

بڑی خوش فہمی ہے تمہیں اپنے اخبار کے بارے میں تمہارا اخبار تو اس بات سے خوش ہوگا کہ تم جیسے آدمی سے مستقل نجات کا معقول جواز مل گیا۔ اس کے علاوہ جو لوگ تمہارے لیے کچھ کر سکتے ہیں تو اُن میں سے اکثر تم سے پہلے ہی یہاں آچکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ آنے ہی والے ہیں۔ میں تمہیں اُن کے نام بتادیتا ہوں''۔

اُس کے بعد اُس نے بہت سارے نام لیے لیکن میں اُن میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا اس لیے میں نے انکار کردیا لیکن اُس کا کہنا تھا کہ وہ لوگ مجھے جانتے ہیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ شاعر، ادیب اور صحافی ہونے کے حوالے سے ممکن ہے کہ مجھے بہت سے ایسے لوگ بھی جانتے ہوں جنہیں میں نہیں جانتا۔ لیکن کوئی جواب اس کو مطمئن نہیں کر سکا اور وہ ''اچھا بچہ۔۔۔ تیری مرضی' کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ایک بار پھر میں کمرے میں اکیلا تھا اور میرے ذہن میں اس کے الفاظ ''اچھا بچہ تیری مرضی'' گونج رہے تھے۔ یہ بظاہر معمولی لفظ عام زندگی میں، ایک خاص طبقے کے درمیان دھمکی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور یہاں ان الفاظ کا مطلب

یہ تھا کہ میں نے اُن کے ساتھ ''تعاون'' نہیں کیا۔ اب انہیں کوئی اور طریقہ استعمال کرنا تھا جس کے بارے میں مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔ لیکن اس پہلے تفتیش کار سے ہونے والی گفتگو سے یہ بات ضرور ثابت ہوگئی تھی کہ انہیں میرے بارے میں اب تک کچھ معلوم نہیں اور یقیناً حاضری کے اُس حکمنامے کی طرح یہاں بھی وہ کسی غلطی کا شکار تھے، لیکن یہ بات انہیں سمجھانا ممکن نہیں تھا۔ اب صرف ایک بات رہ جاتی تھی کہ میں ایک طویل عرصے سے نام تبدیل کر کے رہ رہا تھا۔ یہ بات انہیں شک میں ڈال سکتی تھی کہ ایک آدمی نام تبدیل کر کے کیوں رہ رہا ہے، لیکن جناب! میں اب تک نہیں جان سکا کہ انہیں یہ بنیادی بات جس نے بتائی تھی اُس سے میرا کیا تعلق ہے اور اُس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اتنی دیر گزرنے کے باوجود انہوں نے مجھے کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا تھا، دنیا تو کُجا اب تک پوچھا بھی نہیں تھا۔ کچھ کچھ بھوک کے ساتھ سگریٹ اور چائے کی بڑی شدید خواہش ہو رہی تھی، لیکن میں اُن سے اس ضرورت کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ اب مجھے خیال آتا ہے کہ مجھے کر دینا چاہیے تھا۔ بہرصورت اب تو وہ مجھے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر جا چکا تھا اور میرے پاس وچنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا: کہیں یہ میرا وہم تو کہ محلے والوں نے مجھے دیکھا تھا؟ میں مسلسل چھ سال سے وہاں رہنے کے باوجود اُن سے لاتعلق رہا، وہ بھی تو رہے ہوں گے، ایک لاتعلق آدمی کے بارے میں فکرمندی کی انہیں کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ لیکن اشارے سے تو بہرصورت انہوں نے کیے تھے، میں نے خود دیکھا تھا، سامنے والے مکان کی بالکنی

کے پیچھے ایک عورت کا نصف جسم، اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ بار بار اُس کے خطوط شیشے پر پھیل اور سمٹ رہے تھے ۔ میں انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ایک بدنما اور چیچک زدہ چہرے نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا: کوئی اور تو نہیں؟ حالانکہ اس کا اندازہ وہ خود بھی لگا سکتا تھا۔ کمرا پوری طرح روشن تھا اور میں اکیلا ہی بیٹھا تھا۔ اُس نے دروازہ بڑی آہستگی سے بند کیا اور تیزی سے میری طرف بڑھا انہیں اسکا اندازہ بالکل نیا تھا، جیسے مجھ پر جھپٹنے والا ہو۔ میں نے ٹانگیں فرش پر سے اُٹھالیں اور کُرسی پر اور زیادہ سمٹ گیا۔ میں نے یہ عمل ارادتاً نہیں کیا تھا بلکہ جسم از خود اپنا تحفظ کر رہا تھا۔ لیکن اُس نے مجھ پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ صرف اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب لایا اور بڑی رازداری سے کہا: ''تم اپنے آپ پر پچھتاؤ گے، تمہیں نہیں پتا یہ لوگ پاگل کتوں سے بھی بدتر ہیں۔ مجھے تو تم خود بھی پاگل لگتے ہو جو اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے اتنی بڑی مصیبت کھڑی کر رہے ہو۔ اُن سب لوگوں کی زندگی عذاب ہو جائے گی جو تم سے تھوڑا بہت بھی ملتے رہے ہیں۔ سیدھا سادا اعتراف کرلو، جو بھی وہ کہتے ہیں چپ چاپ کرتے جاؤ انہیں ہر بات کا پتا ہے، تمھارے بھلے کے لئے سمجھا رہا ہوں۔ تم مجھے نہیں جانتے لیکن میں تمھیں جانتا ہوں۔ یہ تو اُسی دن سے تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں جس دن پہلی تقریر آنے والی تھی اور ابھی تک تم سے کوئی بڑی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ اچھا میں چلتا ہوں اب اڑی نہ کرنا۔ اگر انہوں نے مجھے تم سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیا تو خود

میری بھی مصیبت آ جائے گی۔" اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ شخص کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ اُس کے جاتے ہی میں نے سکون کا سانس لیا کیوں کہ اُسکے منہ سے بد بو کے بھبکے اُٹھ رہے تھے اور اس کے باوجود وہ میرے منہ سے منہ ملائے سرگوشی کرتا رہا تھا اور اس دوران مسلسل دروازے کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔

میں اُس شخص کو کہیں دیکھ چکا تھا۔ اس کا چہرہ، اس کا لباس، اس کے بولنے کا انداز بہت دیکھا ہوا سا تھا۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ دروازے پر زور سے کوئی چیز لگی اور پھر پھٹے ہوئے کپڑوں والا ایک شخص کرسی اُٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور پوری قوت سے کرسی مجھ پر اچھال دی اور چلّانے لگا" حرامی، کتے: میں تم میں سے ایک ایک کو ختم کر دوں گا۔ اب میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکو گے۔ تم نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" اگر میں تیزی سے کُرسی چھوڑ کر ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو کُرسی یقیناً مجھے لگ چکی ہوتی۔ میں میز کے پاس کھڑا تھا۔ جب وہ میری طرف بڑھا تو میں میز کی دوسری طرف چلا گیا۔ اِس طرح اُس نے میز کے گرد میرے پیچھے دو چکّر لگائے۔ اسی دوران باہر سے دو تین آدمیوں کے چلّانے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اوئے وہ پاگل، قیدی والے کمرے میں گھس گیا ہے، پکڑو------ پکڑو------ اُس کے ہاتھ میں کُرسی ہے۔ کہیں اُسکو مار ہی نہ ڈالے۔" ان آوازوں کے ساتھ ہی تین چار آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے پاگل کو پکڑ

Scanned with CamScanner

لیا لیکن وہ مسلسل چلاتا رہا مار ڈالوں گا سالے کو، حرامی کے بچّے کو۔۔۔۔تمہاری لاشیں سڑکوں پر لٹکاؤں گا۔"

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟" اُن میں سے ایک نے پوچھا گویا تھوڑی بہت چوٹ کی اجازت تو انہوں نے دے ہی دی تھی۔

"بس کر یار---------وہ اُس پاگل کو سمجھانے لگے---------یہ اُن میں سے نہیں، اس کے ذمے دوسرے کام تھے۔ اگر یہ اُن میں سے ہوا تو ہم اس سے نمٹ لیں گے، اگر وہ تمہارا بھائی تھا۔ تو ہمارا بھی بھائی تھا۔"

کیا اندازہ لگاتے ہیں آپ اس واقعے سے: یہ ہیں آپ کے تفتیشی مراکز جہاں پاگلوں کو رکھا جاتا ہے، جو قیدیوں پر حملے کرتے ہیں تو قیدیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ اُنہیں زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔ لیکن آپ اس پر حیران نہ ہوں کیونکہ یہ تو ابتداء تھی اور میں آپ کو ہر بات بتانا چاہتا ہوں، پوری تفصیل سے جس طرح وہ پیش آئی۔

ایک اور بات جو خاص طور پر محسوس کرینگے ہے وہ یہ کہ وہاں ہر شخص کے بولنے کا انداز عجیب تھا۔ وہ ایک ہی جملے میں بڑے آرام سے متضاد باتیں کہہ دیتا تھا۔ پہلے تفتیش کار کا اصرار تھا کہ وہ ذاتی طور پر سب کچھ جانتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ میں اُسے بتا دوں اور اب یہ شخص آیا تو یہ کہہ رہا ہے کہ میں اُن میں سے نہیں ہوں لیکن میرے ذمے دوسرے کام تھے اور اگر میں اُن میں سے ہوا تو وہ مجھ سے نمٹ لے گا۔

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ پہلا تفتیش کار پھر کمرے میں آ گیا اُس کے آتے

ہی سب سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ وہ پاگل بھی حالانکہ اب اُسے کسی نے پکڑا ہوا نہیں تھا۔" کیا بات ہے تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو؟" اُس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"سر پگلوٹ ادھر آ گیا تھا آپ کے کمرے میں اور اس قیدی کو مارنے لگا تھا۔ وہ تو ہم نے فوراً آ کر بچ لیا۔" اُن میں سے ایک نے جواب دیا۔

"اچھا چلو---------جاؤ یہاں سے "اُسنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا اور وہ تینوں میں سر کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

سارا واقعہ کسی اسٹیج ڈرامے کا حصہ لگ رہا تھا۔

"ہاں بھئی کیا فیصلہ کیا تم نے---------دماغ کچھ درست ہوا یا نہیں" اُس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ گویا اُسکی غیر موجودگی میں جو کچھ ہوا تھا وہ میرا دماغ درست کرنے کے لئے تھا۔

میں نے اُسے بتایا کہ میرا دماغ پہلے بھی درست تھا اور اب بھی درست ہے صرف اُس کے سوچنے کا انداز مختلف ہے ورنہ میں نے تو ہر بات کا ممکن حد تک درست جواب دیا ہے۔

"ابھی میں تمھارے ایک ساتھی سے تفتیش کر رہا تھا۔ اُس نے تمھارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے مجھے سب کچھ دُہرانے کی ضرورت نہیں اگر تم چاہو گے تو تمھارا اور اس کا چہرہ بھی کرا دیا جائے گا۔ اُس کے سامنے ہی اعترافِ کرنا

چاہتے ہو تو تمھاری مرضی۔ سوائے شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بہر صورت میں تمہیں ممکن حد تک رعایت دے چکا ہوں۔"

یہ ایک سیدھا صاف جھوٹ تھا۔ اوّل تو میرا کوئی دوست نہیں تھا اور اگر ایک تھا تو سوائے ادب کے میری اور اُس کی دلچسپیاں مختلف تھیں پھر اُسے اپنے گھر میں منتقل ہوئے ایک عرصہ ہوگیا تھا اور اب اُسکا اور میرا کوئی رابطہ نہیں تھا پھر یوں بھی اُس کے اور میرے درمیان خیالات کا بڑا فرق تھا۔ اس لیے میں نے اُس سے کہا "اگر آپ مجھ سے یہ اعتراف کرانا چاہتے ہیں کہ سورج مغرب سے نکلتا ہے تو آپ کی خوشنودی کے لئے میں اس کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہوں، لیکن جو کچھ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں اُسکا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے اس کے باوجود میں اپنے اُس دوست سے ملنا ضرور پسند کروں گا، جس نے آپ کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے"۔ میں نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا حالانکہ اس میں مسکرانے کی کوئی بات نہیں تھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس آدمی پر غصہ آرہا تھا۔ اگر عام حالات میں یہ آدمی مجھے ملتا تو میں اُس سے ایک آدھ جملے سے آگے بات کرنے پر تیار نہ ہوتا۔ "بیٹا سورج کہیں سے بھی نکلتا ہو تمھاری تو اب رات آگئی ہے میں نے بھی تمہیں نکلے کی طرح سیدھا نہ کر دیا تو تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں تم جیسے کمیونسٹوں سے نمٹنا خوب جانتا ہوں۔"

" کمیونسٹ اور میں! ۔۔۔ آپ کی معلومات کے لئے اتنا ہی کافی ہے"۔

میں واقعی ہنسنے لگا۔۔۔۔ "اب مجھے پورا یقین ہوگیا ہے کہ آپ لوگوں کو کسی نے میرے بارے میں بالکل غلط اطلاع دی ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں تو اس ملک میں اب تک ایک کمیونسٹ دیکھنے کو بھی ترس رہا ہوں۔ ہاں کچھ دولت منداس طرح کا شوق ضرور کرتے ہیں، لیکن کمیونزم کے بارے میں جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا اُن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"مادر چود۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ گالی دیتے ہوئے کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمیں چوتیا سمجھتے ہو۔ یہ جو تمھارے گھر سے سینکڑوں کتابیں برآمد ہوئی ہیں یہ بیچنے کے لیے رکھی تھیں؟" اُس کی ٹھوکر پوری قوت سے میرے گھٹنے پر پڑی اور اس سے پہلے میں اپنا بچاؤ کرتا اُس کے مکوں کی وجہ سے میرے منہ اور ناک سے خون بہنے لگا۔ اس کے بعد سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی کان میں پوری قوت سے چلتی ہوئی آندھی کا شور بھر گیا۔ میں نے کرسی سے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر کرسی پر گر گیا اور آندھی کے شور سے بچنے کے لئے ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

جب میں نے بڑی کوشش سے آنکھیں کھولیں تو وہ میرے سامنے کھڑا تولیے سے ہاتھ پونچھ رہا تھا نہ سرف میری قمیض ار پتلون پر خون گرا ہوا تھا بلکہ خون کے چھینٹے اُس کی قمیض اور فرش پر بھی پڑے ہوئے تھے۔ میں اپنی قمیض کے دامن سے ناک صاف کرنے لگا کیوں کہ ناک سے بہتا ہوا خون منہ میں اور منہ سے بہتا ہوا خون گردن کی طرف جا رہا تھا اور میری آنکھیں ایک بار پھر بند ہو رہی تھیں لیکن جلد ہی

Scanned with CamScanner

میری آنکھیں دوبارہ کُھل گئیں وہ جگ لیے میرے سامنے کھڑا تھا۔

"ذلیل تیرے گندے خون نے میرے کپڑے خراب کر دیئے۔ اب تمہیں اس کی بھی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔" مجھے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھ کر اُس نے کہا اور جگ میز پر رکھ کر اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔

تو جناب یہ تھا وہ قدرے مختلف آدمی جو بار بار اپنی شرافت کا ذکر کرتا رہا تھا غصے کی شدت کے باعث میں چیخنے لگا "یہ ہے تمہارا تفتیش کا طریقہ جب تمھاری گردن پھنستی ہے تو پھر ہاتھ پاؤں جوڑنے لگتے ہو۔ انسان کو انسان نہیں سمجھتے ہو اور انسانیت کے واسطے دیتے ہو۔" میں پوری آواز سے چیخ رہا تھا لیکن آواز حلق سے آگے نہیں آ رہی تھی۔ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اس پر اُس نے بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا "یہ تو بڑا شریفانہ طریقہ ہے۔ اصل تفتیش کی تو ابھی ابتداء بھی نہیں ہوئی۔ یہ تو محض پیار کا معمولی سا دکھاوا تھا۔ اخبار میں کام کرتے ہو نا اس لیے خوابوں میں رہتے ہو۔۔۔۔ میں تم پر سچ مچ کی دنیا کا دروازہ کھولوں گا۔ انسانیت اب تمہیں پتا چلے گا کہ انسانیت کیا ہوتی ہے۔ اب تک تم نے ہمارا ہاتھ پاؤں جوڑنا دیکھا تھا اب ہمارا ہاتھ پاؤں کھولنا بھی دیکھنا۔"

اس کے بعد مجھے واپس اُسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

ایک بار پھر دروازہ کُھلا۔ میری حالت عجیب تھی میں نہ تو سو رہا تھا اور نہ ہی جاگ رہا تھا۔ میں نے انہیں دروازہ کھولتے ہوئے اور اندر آتے ہوئے دیکھا لیکن اپنی

جگہ سے حرکت نہیں کی۔ اُنھوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ اُن کے ساتھ چل دوں۔

لیکن نہ جانے کیوں میں نے اندر ہی اندر فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں اُن کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ یونیورسٹی کے زمانے میں، میں نے جیل کاٹ کر آنے والے لڑکوں سے سُنا تھا کہ ایسے حالات میں انکار اور بحث فضول ہوتی ہے، صرف خاموشی ہی کام آتی ہے، اور میں نے بہرصورت خاموش رہنے کا عہد کر لیا تھا۔

برآمدے کے سوا عمارت کے زیادہ تر حصے تاریک تھے اور میں اُن دونوں کے درمیان برآمدے کے اختتام پر بنی ہوئی سیڑھیوں کی طرف چل رہا تھا۔ کمرے سے نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے آپس میں گفتگو شروع کر دی۔

"کل رات والے نے کچھ بتایا؟ دائیں طرف چلنے والے نے بائیں طرف والے سے پوچھا۔

"ہاں۔ کچھ لوگوں کے بارے میں بتایا ہے۔ اب تو کیس ہی سیکشن والے کریں گے۔"

"شکار کچھ مارا ہی نکلا؟"

"لیکن اُس کی عورت زوردار تھی۔" دوسرے نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔

عورت یعنی بیوی ــــــــــ تو بیویوں کو لایا جانا اُن کی تفتیش کا باقاعدہ،

حصہ ہے میرا ذہن ایک بار پھر خودکشی کے اُس واقعے کی طرف چلا گیا اور میں نے اپنے دل میں سوچا اچھا ہوا جو اَب تک میری شادی نہیں ہوئی-------اگر میری بھی بیوی ہوتی تو--------

"ان حرامیوں کی بیویاں زوردار ہوتی ہیں۔" دائیں چلنے والے کی آواز قدرے دور سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

"لیکن کل والی تو کمال تھی۔ تمہارے جانے کے بعد چیف نے سب کو ایک بار پھر راؤنڈ لگوایا، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، صرف اُس حرامی کی طرف دیکھتی رہی۔ آخر اُس نے سب کچھ مان لیا، سب کچھ بتا دیا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور کر دیتا تو آج اِس کنجر سے نمٹنے کی بجائے اُسی کا مزہ آتا۔---یار یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے نہ ہی گڑ نہ پھٹکری تے رنگ چوکھا شروع توں اسی پر عمل کرنا چاہیے کسی چکر شکر کا ڈروی نہیں ہوتا۔

میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا میری ماں مر چکی تھی، بہن بھی نہیں تھی اور شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے مجھ سے کسی دوسرے مزے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ اس کا نتیجہ میرے حق میں کیا نکلے گا۔ جو بھی ہو------اب تو کسی بات سے بچنا ممکن نہیں تھا۔ میں ان کی باتوں کو پوری طرح سمجھ رہا تھا۔ لیکن میرے پاس نہ تو بولنے کے لئے کچھ تھا اور نہ ہی چھپانے کے لئے----وہ سب کچھ کہنے اور کرنے کا اختیار رکھتے تھے انہیں ایسا کہنے اور کر گزرنے سے روکنے کے لئے میرے پاس کوئی قوت نہیں تھی۔

"لیکن یہ آج رات ہی مر جائے گا۔" پہلی سیڑھی سے ذرا پہلے دائیں چلنے

والے نے ذرا پیچھے ہٹ کر میرے کولھوں پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور میں نے بمشکل خود کو سیڑھیوں پر گرنے سے بچایا۔

"اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں لایا گیا۔ میرا مطلب اے"--------

بائیں چلنے والے نے مجھے بالوں سے پکڑ لیا مطلب اے-------، کے آگے وہ جو کچھ بھی کہنا چاہتا تھا اس کا مطلب آپ بھی سمجھ گئے ہوں گے۔

"اماں تو کہا دی آنٹریانیں، ممکن ہے کوئی ہو ویسی پیچھے لیکن ایس انھاں لوگاں کو کے بتایا اے پہلے والے نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"اوئے کوئی شادی وادی ہوئی ہے کہ نہیں؟" اُن میں سے ایک نے میرے کولھے پر چٹکی بھرتے ہوئے پوچھا۔

"اِس سے کیا پوچھتے ہو-------وہ مجھڑ بتا رہا تھا یہ کوئی شعر وعہ کرتا اے دوسرے نے بڑے معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب شاعر ہے تو شادی نہیں کی ہو گی اُس نے" پہلے والے نے قدرے حیرت سے پوچھا، جیسے بات اُس کی سمجھ میں نہ آئی ہو اور واقعی یہ بات تو خود میری بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"یہ چھوٹی لین کا آدمی ہے، بڑی کا نہیں۔ کچھ نہ ملے تو آپس میں بھی گزارا کر لیتے ہیں--------- کیوں اُوئے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ تو کسی رنڈی کی اولاد ہے--------سالے پر کسی بات کا اثر ہی

نہیں ہو رہا"-------- اِس بار دوسرے نے ٹُھڈّ ا مارتے کہا۔ سیڑھیاں ختم کر کے ہم اب دائیں ہاتھ مڑ چکے تھے۔

"تیری ماں کدھر ہے اوئے؟" دائیں ہاتھ چلنے والے نے پوچھا، لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کوئی جواب دینا فضول تھا۔ اُن کے پاس جو سوال تھے میں اُن کا کہاں تک جواب دے سکتا تھا اور پھر اُن کی تو کوشش ہی یہ تھی کہ مجھے بولنے پر مجبور کر دیں اور میرا دل بولنے پر تیار نہیں تھا۔

"گانڈو بولتا کیوں نہیں؟" ٹُھڈّ ا مارنے والے نے میری بائیں پنڈلی پر بڑے زور سے ٹھوکر ماری درد کی ایک لہر نیچے سے اوپر کی طرف رینگ گئی۔ اگر میں فوری طور پر خود کو سنبھال کر بیٹھ نہ جاتا تو کمر کے بل فرش پر جا گرتا۔

"بولے گا۔ ذرا صبر کر---------- چُری کھائے گا تو بولے گا۔ یہ تو کیا اس کا باپ اور اس کی اگلی نسلیں بھی بولیں گی اور ہمارا نام لے کر خدا کی پناہ مانگیں گی۔" دوسرے نے پہلے والے کو جواب دیا جو میرے دونوں کان پکڑ کر مجھے کھڑا ہونے میں مدد دینے کے لئے اوپر کھینچ رہا تھا۔

"خدا کی پناہ---------- یہ حرامی خدا کو کہاں مانتا ہوگا۔ خدا کو مانتا تو اُن لوگوں کے ساتھ کیوں ہوتا۔" پہلے والے نے میرے کان چھوڑتے ہوئے کہا۔ اُس کی بات حیران کن تھی۔ اُس کے بیان کے مطابق میں ان لوگوں کے ساتھ تھا جو خدا کو نہیں مانتے تھے۔

مکرا بے مکرا---------- کھوتی دا اُپر---------- وَلیوں جیسی چپ سادھ

رکھی ہے چل اندر۔" دوسرے والے نے بالائی منزل کے برآمدے کے آخر میں بنے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا یہ ایک کشادہ اور صاف ستھرا کمرہ تھا۔ اس میں ایک ٹیوب لائٹ اور تیز روشنی والی دو بڑی سرچ لائٹیں جل رہی تھیں۔ نیچے والے کمرے کی طرح اس کمرے کی چھت بھی اُونچی تھی اور اس میں نیلے رنگ کا ایک پنکھا چل رہا تھا۔ اس کمرے میں کتنی کرسیاں تھیں اور ایک بنچ تھی چار یا پانچ فٹ لمبی اور ایک فٹ چوڑی۔

"اُدھر بیٹھ جاؤ۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی اُن میں سے ایک نے حکم دیا۔

"بیٹھو نہیں کھڑے رہو۔" میرے بیٹھنے سے پہلے دوسرے نے حکم تبدیل کر دیا۔

"اور ہاتھ بھی پھیلا لو کاندھوں کے برابر دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر۔"

"یار تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ تم تو آتے ہی شروع ہو گئے۔ ذرا دم وغیرہ لگالیں۔" بیٹھنے کے لئے کہنے والے نے ایک کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تھوڑی ورزش ہو جائے گی''۔ دوسرے نے جیب میں سے سگریٹ کیس نکالتے ہوئے کہا۔

جیسے ہی پہلے کش کا دُھواں کمرے میں پھیلا کمرہ چرس کی بو سے بھر گیا۔ ابھی انہوں نے سگریٹ ختم کیے ہی تھے کہ وہی شخص جو میری گرفتاری کے وقت پستول لیے

کھڑا تھا دو آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ میں اُس کے ساتھ آنے والے اُن دونوں آدمیوں کو صبح بھی دیکھ چکا تھا۔ میرا خیال تھا وہ اُن لوگوں سے چرس پینے کے بارے میں ضرور باز پُرس کرے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ خود اُس کی اور اُس کے ساتھ آنے والے دونوں آدمیوں کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔

جناب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں غلط بیانی کر رہا ہوں یا بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہوں، ایسا بالکل نہیں ہے، میں اس سلسلے میں آپ کو فرانز فینن کا وہ مضمون یاد دلاؤں گا جو اُس نے نو آبادیوں میں مقامی باشندوں پر تشدد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے نہ تشدد کرنے والے تمام لوگ نشے کے عادی ہوتے تھے اور یہ اُن کی نفسیاتی ضرورت کا ایک لازمی جُز تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری دنیا میں جہاں کہیں تشدد ہوتا ہے تشدد کرنے والے ایک ہی طرح کی عادات کا شکار ہوتے ہیں۔

میں کونے میں ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ میرے کاندھوں اور گردن کے درمیانی حصے میں اُٹھتا ہوا درد آہستہ آہستہ شدت اختیار کر رہا تھا۔ اسی دوران اُن میں سے ایک نے کھڑکی کھول دی شاید وہ دھوئیں کو باہر نکالنا چاہتا تھا، کیونکہ کمرہ عجیب طرح کے حبس سے بھر گیا تھا، لیکن یہ تو محض اتفاق تھا کہ میں کھڑکی کے سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹھیک اُس جگہ کھڑا تھا جو کھڑکی کے مقابل تھی اس لیے مجھے کھڑکی سے باہر دیکھنے کا موقع مل گیا۔ رات کے باوجود باہر کا منظر مجھے کچھ دیکھا ہوا سا لگا۔ یہ ایک ہوٹل کی عمارت تھی، مخصوص ساخت کی وجہ سے میں اس ہوٹل کو پہچانتا تھا۔ اگر یہ

وہی ہوٹل تھا جو میں سوچ رہا تھا، تو پھر میں اس جگہ سے کئی بار گزر چکا تھا۔ اس جگہ بحریہ کا رہائشی علاقہ اور بری فوج کے بعض دفاتر تھے اور اس عمارت کے عقب میں اسٹیڈیم ہونا چاہیے تھا۔ اس علاقے میں تشدد کا کوئی کیمپ بھی ہو سکتا ہے، مجھے کیا کسی کو بھی خیال تک نہ آیا ہوگا۔۔۔۔ کاندھوں میں اُٹھتے ہوئے درد کی وجہ سے میری سوچ کا سلسلہ بار بار ٹوٹ رہا تھا۔

"کس نے کھولی ہے کھڑکی-------بند کردو۔" مجھے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پا کر اُس شخص نے چیخ کر کہا جسے وہ لوگ چیف کہہ رہے تھے اور جو میری گرفتاری کے وقت مجھ پر پستول تانے ہوئے کھڑا رہا تھا۔ کھڑکی فوراً بند کردی گئی۔

"باہر کیا دیکھ رہے تھے؟" چیف نے مجھے تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ اُس کے چہرے پر خوف کی لہر کہ بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ مجھے تو کوئی جواب دینا ہی نہیں تھا لیکن اس نے مجھے جواب دینے کی کوئی مہلت دیئے بغیر ہی پھر بولنا شروع کر دیا۔ اب آسانی سے باہر نہیں جاسکو گے۔"

اگر وہ یہ نہ بھی کہتا تو مجھے اس بات کا اب تک اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ لیکن اُس جملے کی ادائیگی محض اتنے ہی معنی نہیں رکھتی تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اگر میں اس جگہ کے بارے میں جان گیا تو وہ مجھے باہر نہیں جانے دیں گے کیوں کہ وہ نہیں چاہتے کہ میں اس جگہ کو جہاں یہ عمارت ہے پہچان سکوں۔

عمارت تو کیا وہ تو اپنے سلسلے میں بھی پوری احتیاط کر رہے تھے اور تمام گفتگو

Scanned with CamScanner

ایک دوسرے کا نام لیے بغیر کر رہے تھے۔

"جاؤ اخروٹ لے آؤ--------- بہت چالاک بنتا ہے۔ کیا دیکھ رہے تھے؟" چیف نے کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے اور وہاں کھڑے دوسرے لوگوں میں سے ایک کو مخاطب کیا۔

"چیف کیوں نہ تھوڑی دیر ٹہل کر آئیں۔ جتنی دیر میں ہم لوگ پان وان کھا کر آئیں گے، اس کو بھی سوچنے کا موقع مل جائے گا۔" چیف کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے کہا اور اس سے پہلے کہ چیف کوئی فیصلہ کرتا وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "او حرامی------ کیوں اپنی موت بلا رہا ہے چل ہاتھ نیچے کر اور فرش پر بیٹھ جا----

سگریٹ پیتا ہے؟ ضرور پیتا ہوگا اس نے جیب میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا، لیکن سگریٹ مجھے دینے کی بجائے اس شخص کو دیکھنے لگا جسے اخروٹ لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رسّی اور تقریباً ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے تین ڈنڈے تھے۔

اُن کے ارادے صاف ظاہر تھے لیکن کیوں، یہ بات میں اب تک نہیں جان سکا تھا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھتے اور اگر میں اُنہیں کوئی بات بتانے سے انکار کر دیتا تو وہ تشدد کرتے لیکن کسی بات کے بغیر وہ اس کمرے میں لے آئے تھے اور اب وہ رسی اور ڈنڈے میرے سامنے تھے، گویا تشدد کی ساری تیاری مکمل تھی۔ نچلے کمرے سے اس کمرے تک آتے ہوئے مجھے لانے والوں نے جو گفتگو کی تھی، اُس نے مجھ پر عجیب اثر ڈالا تھا اور مجھ پر ایک عجیب سی بے حسی طاری تھی حالانکہ عام طور پر

مجھے غصہ بہت جلد آ جاتا تھا لیکن اب اس غصے کا کہیں پتا نہیں تھا شاید اُس کی جگہ ایک لاتعلقی اور بے حسی نے لے لی تھی اور میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا طریقہ اختیار کریں گے۔ پہلے تو اُن کی تعداد دیکھ کر میرا خیال تھا کہ مجھے "فٹ بال" بنایا جائے گا۔ "فٹ بال" ناممکن ہے آپ اس لفظ کو سنیں، لیکن یہ ایک اصطلاح ہے جو صرف ہماری پولیس ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی پولیس اور تشدد کرنے والے استعمال کرتے ہیں۔ آپ ضرور اس اصطلاح کا مطلب جانتے ہوں گے۔ آپ خاموش ہیں تو لیجیے میں اس کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ تو جناب اس طریقے کے مطابق قیدی کو چار پانچ یا اس سے زائد تشدد کرنے والے اپنے درمیان میں کھڑا کر لیتے ہیں اور پھر اُس پر چاروں طرف سے مکّوں اور ٹھوکروں کی بارش شروع کر دی جاتی ہے۔ بعض اوقات جب قدرے احتیاط مطلوب ہوتی ہے، تو قیدی پر کمبل ڈال دیا جاتا ہے تاکہ چوٹ ظاہر نہ ہو۔ لیکن رسی اور ڈنڈے دیکھ کر مجھے اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا کیونکہ "فٹ بال" میں رسی اور ڈنڈے استعمال نہیں کیے جاتے۔ پھر چیف نے "اخروٹ" کا لفظ استعمال کیا تھا گویا کوئی اور طریقہ استعمال کیا جانے والا تھا۔ رسی بھی لائی گئی تھی------ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھے پنکھے کے ساتھ اُلٹا لٹکا کر پنکھا چلا دیں گے اور پھر اس عمل کو بار بار دہرایا جائے گا۔ اس طریقہ کار کے نتیجے میں قیدی حواس باختہ ہو جاتا ہے اور اُس سے جو بھی پوچھا جاتا ہے، اُس کا جواب بے ساختہ مل جاتا ہے ایسا کیوں کر ممکن ہو جاتا ہوگا؟ شاید خون کا دباؤ جسم اُلٹنے کی وجہ سے سر کی طرف بڑھ جاتا ہوگا اور پھر دائرے

Scanned with CamScanner

میں تیزی سے گھومنے کی وجہ سے حواس پر قابو ختم ہو جاتا ہو گا۔ میرا سر قدرے بھاری ہو گیا اور مجھے اپنی آنکھوں میں درد کی لہریں اُٹھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

"اس حرامی پر بڑی محنت کرنا پڑے گی۔ بڑی گُتی شے لگتی ہے۔" آخر چیف کی آواز مجھے خیالات کے مسلسل گھومتے ہوئے دائرے سے باہر لے آئی۔ "اِسے وقت دینے کی کوئی ضرورت نہیں اگر اس نے وقت سے فائدہ ہی اُٹھانا ہوتا تو اب تک اُٹھا چکا ہوتا۔"

"لیکن چیف آپ اس سے ایک بار اور پوچھیں تو--------- یہ سب بتا دے گا---------- مجھے تو یہ اچھا آدمی لگتا ہے--------- ویسے بھی پڑھا لکھا آدمی ہے ساری اونچ نیچ سمجھتا ہی ہو گا۔ میں تو آپ سے سفارش کروں گا کہ آپ اس کو ایک موقع اور دیں۔"

"------------- کیوں اوئے۔" اُس شخص نے جو اس سے پہلے مجھے سگریٹ کی پیش کش کر چکا تھا، میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔ اور پھر اُن دونوں سے جو مجھے نیچے سے اُوپر لائے تھے، مخاطب ہو کر بولا۔ "تم کیا دیکھ رہے ہو--------- جاؤ اسے نیچے لے جاؤ کوئی چائے شائے پلاؤ پھر چیف کے کمرے میں لے آنا۔"

"اچھا سر---------اُٹھو اوئے۔"

اس طرح وہ مجھے پھر واپس اُسی کمرے میں لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد چائے اور نمکین بسکٹ بھی آ گئے جو میرے سامنے رکھ دیے گئے۔ گزشتہ رات دفتر سے

واپس آنے کے بعد سے اب تک میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لیے میں نے کیتلی میں موجود ساری چائے پی لی، اور چاروں بسکٹ کھا گیا۔ پھر انہوں نے مجھے ایک سگریٹ دیا جو میرے ہی برانڈ کا تھا۔ آپ کو بالکل احساس نہیں ہو سکتا کہ اُس وقت ملنے والی چائے بسکٹ اور سگریٹ کیسی نعمت تھے۔

تھوڑی دیر بعد میں چیف کے کمرے میں تھا۔ کمرے میں چیف کے علاوہ وہ آدمی بھی تھا۔ جس کی عنایت اور تجویز پر مجھے چائے بسکٹ اور سگریٹ سے نوازا گیا تھا۔

"دیکھو--------- مجھے ذلیل نہ کرانا، میری وجہ سے تمہیں اتنا موقع دیا گیا ہے اب تم صاف صاف بتا دو۔ تم کن لوگوں کے ساتھ کام کر رہے ہو اور اُن کا پروگرام کیا ہے۔ یہ ساری باتیں ویسے بھی پتا چل ہی جاتی ہیں۔ لیکن اگر تم بتاؤ گے تو اس میں تمھارا فائدہ ہے۔ میں چیف سے کہہ کر تمھاری سفارش کرا دوں گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ویسے بھی تم اب تک کسی گڑ بڑ میں شریک نہیں رہے لیکن تم اُن کے ساتھ ضرور ہو۔ اس لیے تمہیں جو کچھ بھی معلوم ہے آرام سے یہاں بتا دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔ یہ سارا کھیل اُس وقت تک تو چھپانا ٹھیک ہوتا ہے، جب تک مخبری نہ ہو، لیکن جب بات ہم تک پہنچ جائے تو پھر کچھ چھپانا بیکار ہوتا ہے اور اب تو بات اُوپر تک پہنچ چکی ہے۔ اب تو تمہیں چھڑوانے کے لئے بھی بڑی محنت کرنا پڑے گی۔ لیکن اگر وعدہ کیا ہے تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کیوں چیف۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" چیف نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

Scanned with CamScanner

"اب خاموشی ختم کرو اور کام کی بات شروع کرو۔" اُس نے پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

بات بڑی رسانیت سے ہو رہی تھی۔ اس لیے میں نے خود کو ایک بار پھر اپنا عہد توڑنے پر آمادہ کر لیا اور اُنہیں ساری بات بتا دی کہ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی تعلق ہے تو صرف شاعروں، ادیبوں اور مصوروں وغیرہ سے اور اُن لوگوں کا پروگرام اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ نوکری وغیرہ سے جو وقت بچ جائے۔ اُس میں اپنے بال بچے پالیں، شاعری کریں، کہانیاں لکھیں اور تصویریں بنائیں اور ان میں سے کوئی کام وہ چھپا کر نہیں کرتے بلکہ اُن کی تو خواہش ہوتی ہے کہ اُن کا کام، زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے اور اُن کی سمجھ میں آئے۔ اُن کے نام کیا کیا ہیں یہ باتیں آپ لوگ کسی بھی اخبار کی ادبی رپورٹ سے معلوم کر سکتے ہیں میں کیوں کہ بہت کم لوگوں سے ملتا جلتا ہوں۔ اس لیے میری بجائے اگر کسی اور شخص سے خاص طور پر کسی ایسے شخص سے جو کسی اخبار میں ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کی رپورٹ لکھتا ہو امعلوم کریں تو زیادہ بہتر ہوگا اور آپ کو زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں گی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں یہی کہوں گا کہ اس کام کے لیے میرا انتخاب غلط ہوا ہے۔ میں نے یہ بات بڑی تفصیل اور رسانیت سے بتائی لیکن انہیں کسی بات پر اعتبار نہیں آیا اور آخر ایک بار پھر مجھے اوپر لے جانے کا حکم جاری کر دیا گیا۔

جناب آپ خود بتائیں جب کسی آدمی کے پاس بتانے کے لئے کچھ نہ ہو تو

وہ آپ سے کیا چھپا سکتا ہے لیکن یہ بات اُن کی منطق میں کوئی جگہ نہیں بنا سکی۔ اُوپر وہ سب کے سب اُسی طرح موجود تھے، کمرے میں چرس کی بو بھری ہوئی تھی۔ چیف کا انتظار کیا جا رہا تھا اور میں کمرے کے ایک کونے میں کھڑا تھا وہ اسٹریچر لے کر آ گئے۔ مجھے پتا تھا میرا آپریشن ہونے والا ہے، انہوں نے مجھے اسٹریچر پر لیٹنے کے لئے کہا اور میں کسی تردّد کے بغیر اسٹریچر پر لیٹ گیا۔ اسٹریچر رینگتا ہوا آپریشن تھیٹر میں داخل ہوا اور مجھے اُٹھا کر ایک ایسی میز پر لٹا دیا گیا جو بمشکل ایک فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوگی۔ شاید آپریشن کی نوعیت مختلف تھی اس لیے لکڑی کی میز پر کچھ نہیں بچھایا گیا تھا ڈاکٹر میرے اردگرد کھڑے تھے اور میں اگلی کارروائی کا انتظار کر رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں ڈاکٹر کچھ حیران سے تھے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میرے جسم کو ایک رسی سے کسا جانے لگا۔ اب میرے حیران ہونے کی باری تھی یہ کیسا آپریشن ہے؟" میں نے سوچا عام آپریشن تھیٹروں کے برخلاف میرے سر پر کئی لائٹوں کی بجائے صرف ایک لائٹ جل رہی تھی، رسی کو بڑی سختی سے کسا جا رہا تھا۔

" کیسا لگ رہا ہے؟" اُن میں سے ایک ڈاکٹر نے پوچھا۔

"پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا یہ کیسا طریقہ ہے؟ اگر آپ نے کسی بے احتیاطی سے کام لیا تو آپ کو سزا سے گزرنا پڑے گا۔ میں اس وقت تو آپ کے رحم و کرم پر ہوں آپ جو چاہیں کر لیں لیکن میں نے پہلے کبھی نہیں سنا کہ اس طرح کیا گیا ہو جیسے آپ کر رہے ہیں ممکن ہے یہ کوئی نیا طریقہ ہو لیکن بظاہر تو یہ بہت ہی قدیم دکھائی دیتا

ہے۔۔۔آپ نے مجھے بے ہوش کیوں نہیں کیا؟ میں نے اُس ڈاکٹر سے پوچھا۔۔۔لیکن وہ مجھے جواب دینے کی بجائے ہنسنے لگا اور بولا۔"اچھا اب پاگل پن کی اداکاری کر رہے ہو۔

عجیب ڈاکٹر ہے، ایک تو مجھے آپریشن سے پہلے بے ہوش کرنے پر تیار نہیں، پھر مجھ پر پاگل پن کی اداکاری کا الزام لگا رہا ہے۔ میں نے سوچا لیکن ڈاکٹر ہنستا ہی رہا۔ ظاہر ہے اس بات پر، مجھے غصہ آنا تھا اس لیے میں نے چلا کر کہا" ٹھیک ہے، اس وقت تو میں بندھا ہوا ہوں جو چاہے کرلو، لیکن تم بچو گے نہیں، تمہیں اس کی بڑی قیمت چکانی پڑے گی۔ ایک ایک بات کا جواب دینا پڑے گا۔"

"اخروٹ کھائے ہیں کبھی؟" اُس نے میری بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا اچھا نہیں کھائے تو آج کھالو۔"

اب آپ خود سوچیں ایک ایسا آدمی جو آپریشن کے لئے میز پر لیٹا ہوا اُس سے ایک ڈاکٹر یہ پوچھے کہ اُس نے اخروٹ کھائے ہیں یا نہیں تو وہ کیا محسوس کرے گا۔ لیکن میرے ساتھ یہ سب کچھ عملاً کیا گیا اور بڑے مضحکہ خیز انداز میں۔ اس کے بعد کوئی چیز بڑی قوت سے میرے تلوؤں کے ساتھ ٹکرائی۔ میری چیخ نکلنے ہی والی تھی۔ لیکن میں نے پوری قوت سے جبڑے ایک دوسرے پر جما لیے میں ڈاکٹروں کے سامنے خود کو کمزور ثابت کرنا نہیں چاہتا تھا اور یوں بھی جب ڈاکٹر مسخرے پن پر اُتر آئیں آپریشن کرنے سے پہلے مریض کو بے ہوش کرنے کی بجائے رسی سے باندھ

دیں تو اُن سے کچھ کہنا یا اُن کے سامنے چیخنا چلانا بے کار ہی ہوتا ہے پھر مجھے شکایت تو السر کی تھی لیکن وہ میرا آپریشن پاؤں سے شروع کر رہے تھے۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ جیسے بھی ہو اس مرحلے کو برداشت کر لیا جائے۔ لیکن ایسا صرف ایک بار نہیں ہوا۔ کوئی چیز بار بار تلوؤں سے ٹکرانے لگی۔ یہیں ہیں اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے ایک کھائی میں لٹکا دیا میرا سر نیچے تھا اور پاؤں اُوپر کھائی کے دونوں طرف نوکیلی پہاڑیاں تھیں وہ بڑی تیزی سے مجھے حرکت دے رہے تھے، میں کبھی ایک طرف کی اور کبھی دوسری طرف کی پہاڑی کے نوکیلے پتھروں سے ٹکرا رہا تھا جسم پر بار بار بے وزنی کی وہ کیفیت طاری ہو رہی تھی جسے میں نے ایک بار بجلی کے جھو لے میں بیٹھ کر محسوس کیا تھا۔ عجیب سا دباؤ بھاری بھاری جسم کے مختلف حصوں پر پڑتا ہے عضو جڑے رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اس طرح چھو ٹے چھوٹے وقفوں کے دوران پہاڑی کی طرف جاتے ہوئے جسم جڑ جاتا اور پھر پہا ڑی سے ٹکراتے ہی بکھر جاتا۔ انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ اب وہ مجھے تیزی سے نیچے کی طرف چھوڑتے اور پھر اُسی رفتار سے اُوپر کھینچ لیتے۔ ممکن ہے اس مقصد کے لئے انہوں نے برقی موٹر کو استعمال کیا ہو، لیکن میں اس بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ بہرصورت میں مسلسل اور تیزی سے نیچے جاتا اور پھر اُسی تیزی سے اُوپر کھینچ لیا جاتا۔

جسم کے مسلسل اُوپر نیچے جانے اور بار بار پھیلنے سمٹنے پر ہی بات ختم نہیں

Scanned with CamScanner

ہوئی۔ اس دوران جسم بار بار پہاڑیوں کے نوکیلے پتھروں سے بھی ٹکراتا رہا اور اندازہ لگانا بالکل ممکن نہیں تھا کہ درد کہاں سے اُٹھ رہا ہے اور کدھر جا رہا ہے، بس ہر عضو میں پھٹتا ہوا اُبال تھا۔ میں بے تحاشا چیخنے لگا۔ مجھے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ میں اتنی زور سے بھی چیخ سکتا ہوں نہیں وہ میری آواز نہیں ہو سکتی: میں اُس آواز کو اب بھی سن سکتا ہوں، جب چاہوں سُن سکتا ہوں، بہت سے زخمی جانوروں کے ایک ساتھ چیخنے اور دہاڑے کی آواز پھر اچانک سب کچھ ختم ہو گیا، لیکن سر میں درد کی شدت پہلے سے بڑھ گئی۔ اَب میں اپنی کھوپڑی میں دماغ کی حرکت کو واضح طور پر محسوس کر سکتا تھا۔ میں پوری قوت سے سانس لینے کی کوشش کرنے لگا لیکن شاید ہوا میں آکسیجن کا تناوَ سب کم ہو گیا تھا پوری طرح سانس لینے کے باوجود مجھے وہ اطمینان نہیں مل رہا تھا جو اتنا لمبا سانس لینے سے ملتا ہے۔

" کچھ دماغ ٹھیک ہوا کہ نہیں دور سے آتی ہوئی ایک شنا سا آواز نے پوچھا۔ میں نے بولنے والے کو دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن پوری کوشش کے باوجود آنکھیں کُھل نہیں سکیں۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا یا شاید میں نے انہیں بتایا کہ تکلیف پہلے سے بڑھ گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر وہی عمل شروع کر دیا گیا۔

جناب آپ خود بتائیں، میرا دماغ تو خراب نہیں تھا، اور نہ ہی میں نے اُن سے اس طرح کی کوئی شکایت کی تھی اس کے باوجود میرے دماغ کا علاج کیوں کیا جا رہا تھا اور یہ کیسا علاج تھا، میں ے کبھی کسی ایسے علاج کے بارے میں نہیں سنا تھا

جس میں مریض کو کھائی میں اُلٹا لٹکا دیا جاتا ہو، نوکیلی پہاڑیوں سے ٹکرایا جاتا ہو اور اس کے جسم کو پھیلنے سمٹنے اور پھر پھیلنے پر مجبور کر دیا جاتا ہو۔ میں ایک بار پھر پوری قوت سے چیخنے لگا لیکن اس بات میری آواز حلق کی بجائے ناک سے نکل رہی تھی۔ ریشمی کپڑے جیسی کوئی چیز میرے منہ میں رکھ دی گئی تھی۔ آپ نے کسی اناڑی قصائی کے ہاتھوں ذبح ہونے والے کسی تندرست بیل کی آواز تو سنی ہوگی جو جسم کے ٹھنڈے ہونے سے پہلے تک نکلتی رہتی ہے۔ بالکل ویسی ہی تھی میری آواز مجھے اپنا جسم دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر ساری کیفیتیں ایک ساتھ ختم ہو گئیں، میں نیچے اور گہری تاریکی میں جا گرا جُس کے ذریعے مجھے لٹکایا گیا تھا۔ شاید وہ رسہ ٹوٹ گیا تھا۔ اب میرا جسم نہ تو دائیں بائیں ہلکورے لے رہا تھا اور نہ ہی اوپر نیچے جھول رہا تھا۔ میری ناک سے نکلتی ہوئی غیر انسانی خرخراہٹ بھی بند ہو چکی تھی۔

نیچے پاتال میں ایک کمرہ تھا جہاں چیف پانچ آدمیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ انہوں نے مجھ جیسے ایک آدمی کو بینچ پر رسیوں سے باندھ رکھا تھا۔ اُس کے منہ میں کپڑے کا ایک ٹکڑا گولا بنا کر ڈال دیا گیا تھا اور ایک آدمی اُس کے تلووں پر بینت برسا رہا تھا۔ عام طور پر میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں کسی ایسے منظر کو دیکھتا رہا۔ لیکن اس وقت تو میں خود کو بالکل مختلف محسوس کر رہا تھا اس لیے بڑے آرام سے اس سارے منظر کو دیکھتا رہا۔

یہ سارا منظر بالکل بے آواز اور معلق محسوس ہو رہا تھا۔ اس منظر کی ہر چیز پہلے

Scanned with CamScanner

سی دیکھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ یہ کمرہ بالکل اُس کمرے جیسا تھا، جہاں مجھے آپریشن کے لئے لے جایا گیا تھا۔ بلا مبالغہ اس سے پہلے میں کبھی ایسی مماثلت سے دوچار نہیں ہوا تھا جیسی مجھ میں اُس آدمی میں اور اُن دو کمروں میں تھی لیکن ابھی میں اس مماثلت کو پوری طرح سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اچانک مجھے پھر اوپر کھینچ لیا گیا۔

سر سے پاؤں تک بھیگا اور بالکل نیچے والے کمرے میں پڑے ہوئے آدمی کی طرح بندھا ہوا پڑا تھا، اور وہ لوگ میرے چاروں طرف کھڑے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ تلووں سے سر کی طرف درد کی اتنی شدید لہریں اُٹھ رہی تھیں کہ میں پاگل ہو جانا چاہتا تھا لیکن احمق اور ذہین ہونے کی طرح پاگل ہونا بھی شاید آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔

" کیا حال ہے ---------؟" ڈاکٹر نے میرے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکالتے ہوئے پوچھا۔

درد بہت شدید ہے۔" دور سے آتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔

"درد سے بچنا چاہتے ہو تو اُن لوگوں کے نام بتا دو جو تمھارے ساتھ ہیں۔" اُسی ڈاکٹر نے کہا۔

"کن لوگوں کے نام؟ میں بہت آہستہ بول رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں سوچنے لگا کہ مجھے تو آپریشن کے لئے لایا گیا تھا یہ کن لوگوں کے نام پوچھے جا رہے ہیں۔

"وہی لوگ جو تم سے ملتے تھے اور تمہیں جن لوگوں سے ملنے کے لیے کہا جاتا تھا۔"

اُسی آواز نے پھر کہا۔

"میں کن لوگوں سے ملتا تھا---------اس کا آپ لوگوں سے کیا تعلق ہے؟"

"ہم لوگوں سے جو بھی تعلق ہو، لیکن تم سے اور تمہاری زندگی سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو بتا دو کہ تمھیں کیا کیا کام کرنے کی ہدایت دی جاتی تھی۔" اس آواز نے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"میں کہاں ہوں---- کیا میری جان کو خطرہ ہے مجھے تو آپریشن کے لیے لایا گیا تھا؟

"تمہارا آپریشن ہی ہو رہا ہے لیکن یہ آپریشن اُس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک تم اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ اُن کے بارے میں سب کچھ بتا دو۔"

میں نے آنکھیں پوری کھول کر اُن کی طرف دیکھنے کی کوشش کی اور اپنے ذہن پر زور ڈالا۔ آہستہ آہستہ مجھے یاد آنے لگا کمرا کمرے سے پہلے سیڑھیاں، ایک آدمی پہلے بھی اس طرح کے سوال پوچھ چکا ہے، یہی آدمی تو تھا۔ اس سے پہلے ایک اور آدمی نے بھی اس طرح کے سوال کیے تھے اور آخر میں ٹھوکریں اور مکے اور اس سے اور پہلے ایک کمرا، دوڑتی ہوئی گاڑی ایک مکان جہاں میں رہتا تھا اور گرفتاری لوگوں کے اشارے، دھندلائی ہوئی بے ترتیب تصویریں آگے پیچھے گردش کرنے لگیں۔ مجھے اُس کے سارے سوال سمجھ میں آنے لگے۔ میرے دانت ایک دوسرے پر جم گئے۔ مجھے یاد آ گیا میں نے

Scanned with CamScanner

کچھ نہ بولنے کا فیصلہ کیا تھا لین اس کے باوجود میں بہت کچھ بول گیا تھا۔

"زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں -------- بس ایک ایک نام لینا شروع کر دو" اُسی آواز نے پھر کہا میں اس آواز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ اُس شخص کی آواز تھی جسے وہ لوگ چیف کہتے تھے۔ لیکن میں نے اُس کی آواز کا کوئی جواب نہیں دیا اور سوچنے لگا ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ میں رسیوں سے بندھا ہوا بنچ پر پڑا ہوں، درد کی شدید لہریں میرے تلووں سے اُٹھ کر اُوپر کی طرف آ رہی ہیں میری آنکھوں کے سامنے وہ آدمی آ گیا جسے چیف نے اخروٹ لانے کے لئے بھیجا تھا اور وہ رسی اور بینت لے کر آیا تھا رسی اور بینت ------ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی۔

"بہت سوچ لیا اب شروع کرو" چیف نے ایک بار پھر مطالبہ کیا۔ "نہیں بولو گے تو جان سے جاؤ گے۔" اور میں سوچنے لگا یہ لوگ میرے ساتھ کس حد تک جا سکتے ہیں کیا یہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے نہیں، یہ لوگ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ اِس وقت میری زندگی ان کے لئے بہت قیمتی ہے وہ مجھ پر تشدد ضرور کریں گے۔ لیکن جان سے نہیں ماریں گے۔ اگر مقصد مجھے مارنا ہی ہوتا تو اس کے لئے گرفتار کرنے اور یہاں لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے ہاتھوں کئی لوگ مارے جا چکے تھے۔ کوئی نامعلوم گاڑی انہیں کسی بھی سڑک پر کچلتی ہوئی گزر جاتی تھی۔ وہ جیل سے فرار ہوتے ہوئے اور پولیس سے مقابلہ کرتے ہوئے مار دیئے جاتے تھے۔ لیکن مجھ پر تو تشدد کیا جا رہا تھا اور تشدد صرف دو طرح کے لوگوں پر کیا جاتا ہے۔ ایک وہ جنہیں کچھ معلوم ہوتا

ہے اور دوسرے وہ جن پر کچھ معلوم ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے اسطرح تشدد کرنیوالے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو تشدد کا شکار ہونے والوں کے بارے میں قدرے درست معلومات رکھتے ہیں اور انہیں پتا ہوتا ہے کہ اُن کی تفتیش کا رُخ درست ہے اور جس کو اُن کے حوالے کیا گیا ہے وہ صحیح ملزم ہے۔ ہر چند کہ انہیں بھی الزام کی نوعیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ ہوتے ہیں۔ جو الزام اور جرم میں کوئی فرق نہیں کرتے وہ ہر اُس ملزم کے مجرم ہونے پر یقین رکھتے ہیں جو اُن کے حوالے کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے تشدد اعتراف کا ذریعہ ہوتا ہے جبکہ پہلی قسم کے لوگ تشدد کو معلومات حاصل کرنے کے دوسرے کئی ذرائع میں سے ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ تفتیش کاروں کی یہ دونوں اقسام ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں، لیکن دوسری قسم کے لوگ عام طور پر نچلی سطحوں پر کام کرتے ہیں انہیں وہ مبہم اطلاعات فراہم کی جاتی ہیں جو اُوپر سے نیچے آتی ہیں بنیادی طور پر ان کا فرض دہشت گردی کی فضا پیدا کرنا ہوتا ہے اور یہ لوگ ہر اُس آدمی پر جس کا حکومت، حکومتی مشنری یا اُس کے حامیوں سے تعلق نہ ہو حکومت کے خلاف سازش کرنے یا اُس میں شریک ہونے کا شبہ کرتے ہیں میں سوچ رہا تھا اور سوچتا چلا جا رہا تھا اور وہ میرے بولنے کا انتظار کر رہے تھے پھر شاید وہ تھک گئے۔

"منہ کھولو" اُن میں سے ایک نے کہا لیکن میں نے اُس کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ پھر کسی نے میری ناک اس طرح پکڑ لی کہ میرے نتھنے بند ہو گئے اور منہ بے ساختہ کھل گیا اور اُس نے ایک گولا سا میرے منہ میں ڈال دیا یہ گولا اتنا بڑا تھا کہ اُسے

صرف منہ یا زبان کی مدد سے اُگلنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اُن کی طرف دیکھا سب کی نظریں مجھ پر تھیں اور اُن میں سے ایک آدمی میرے پاؤں کی طرف کھڑا تھا۔ ایک بینت اُس کے ہاتھ میں تھی۔

"شروع کرو۔" چیف کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے بینت تلوؤں پر برسانا شروع کر دیے پہلا اور دوسرا بینت تلوؤں پر پڑتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ درد کی لہریں تلوؤں سے اٹھ کر اوپر دماغ کی طرف آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں لیکن اُس کے بعد تو یوں لگا کہ جیسے پورا جسم لہروں کی زد میں آ گیا ہو۔ درد ہر مسام میں سے پھوٹ رہا تھا اور خون کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ جسم بار بار پھیل اور سمٹ رہا تھا۔ بینت تلوؤں کو چھو کر پلٹتا تو جسم پھیل جاتا اور جوں ہی ضرب پڑتی پھر سمٹ جاتا۔ پھر نہ جانے کس ضرب پر درد ٹھہر گیا۔ بینت کی آواز اب دور سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی اور اب میں اُس سارے منظر کو دیکھ سکتا تھا۔

وہ میرے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اُن کی نظریں رسیوں سے بندھے میرے جسم پر گڑی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے ایک آدمی پسینے میں تر میرے تلوؤں پر بینت برسا رہا تھا۔ ہر بینت کے ساتھ میرا جسم اور ہینچ ملتے اور حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلتی جو منہ میں دیے گئے کپڑے کی وجہ سے اور بھی بھیانک ہو جاتی۔ یہ آواز دردِ زہ کے دوران کراہتی ہوئی عورت کی آواز سے اتنی زیادہ بلند اور بھیانک تھی کہ عام حالات میں اس آواز کو سن کر ہی گلے میں خراشیں پیدا ہو سکتی تھی۔ میری گردن دائیں

سے بائیں حرکت کر رہی تھیں، آنکھیں بند تھیں لیکن اُن میں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود مجھے درد کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اچانک وہ رُک گئے شاید اُنہیں احساس ہو گیا تھا کہ میں اپنے جسم میں نہیں ہوں۔ اُن میں سے ایک آدمی باہر گیا اور پانی سے بھری ہوئی بالٹی لا کر مجھ پر اُنڈیل دی پانی پڑنا بالکل ایک جادوئی عمل ثابت ہوا۔ میں ایک بار پھر درد کی لہروں سے پُر اپنے جسم کی قید میں تھا پانی کی ایک اور بوچھاڑ آئی اور جُھرجُھری کے ساتھ میری آنکھیں کُھل گئیں۔ لیکن انہوں نے پپوٹوں پر بھی کوئی چیز رکھ دی تھی جس کی وجہ سے آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ کانوں میں بھی بھنبھناہٹ ہو رہی تھی جس نے بہت جلد شدت اختیار کر لی۔ بوئنگ طیارے کے انجن بالکل میرے کانوں کے پاس اسٹارٹ ہو رہے تھے لیکن میں اپنے کان بند نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً پوری قوت صرف کر کے میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ چھ تھے اور میرے گرد کھڑے تھے۔ اُن کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں، چہرے سینوں پر لٹک آئے تھے اور بازو گھٹنوں کو چھو رہے تھے۔ پورا کمرا تیز قسم کی سبز سرخ اور نیلی ادھر سے ادھر کوندتی لہروں سے بھرا ہوا تھا۔ کمرے کی چھت بھی پہلے سے بہت اُونچی ہو چکی تھی۔

اگر آپ مجھے غور سے دیکھیں تو آپ کو دُوری کے فاصلے پر کھڑا ہوا یہ کتا صاف نظر آ جائے گا۔ سارے جسم پر پڑے ہوئے زخموں پر بھنبھناتی ہوئی سبز رنگ کی مکھیاں اور زخموں کے اندر رینگتے ہوئے زرد کیڑے بھی آپ کو صاف دکھائی دے سکتے

ہیں میں ایک بھونکتا ہوا پاگل کتا ہوں۔ بند گلی کے آخر پر بالکنی کے نیچے جہاں سے ایک آدمی مجھے پائپ سے نکلتے پانی کی زد پر لیے ہوئے ہے۔ اِدھر سے اُدھر میری حرکت کے لئے صرف دو گز جگہ ہے، پیچھے دیوار ہے اور سامنے بچوں کی ایک قطار جو ہاتھوں میں پتھر لیے کھڑی ہے۔ بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ کوئی چیز میرے معدے کے اندر کھول رہی ہے اور معدے سے باہر آنا چاہتی ہے۔ میں پوری قوت سے پیٹ کو اندر کی طرف کھینچ رہا ہوں لیکن بھوکلاہٹ اور زیادہ تیز ہو رہی ہے اور حلق تلخی سے بھر رہا ہے۔

آپ میرا نام پوچھ رہے ہیں---------جی میرا نام---------میرا نام——غلام ہے——غلام ولد غلامو، کہاں رہتا ہوں؟ اَب تو کہیں نہیں، رہتا تھا کبھی، یہاں قیدی لایا گیا ہوں، مجھے نہیں پتا---شاید غلامی کی وجہ سے آنکھیں کھولوں——تم میرا سر کیوں رگڑ رہے ہو، کون ہو تم مجھے اوپر کی طرف کیوں کھینچ رہے ہو، مجھے کیوں جگا رہے ہو، تم اندر کیسے آئے، میں تو سارے دروازے بند کر کے سویا تھا۔ کیا میں بیمار ہوں۔ میرے کپڑے کیوں بھیگے ہوئے ان میں سے بو کیسی آ رہی ہے۔

"کچھ نہیں---------ٹھیک ہو جاؤ گے۔ حرامیوں نے تمہاری حالت کیا بنا دی ہے برے بھلے کی کوئی تمیز ہی نہیں، چائے پی لو"--------

میں کمرے کے ایک کونے میں پڑا تھا اور میرے پاس بیٹھا ہوا آدمی آہستہ آہستہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا تم نے بھی تو انتہا کر دی، اتنی مار کھا لی لیکن ایک لفظ اگل کر نہیں دیا تم بھی کچھ کم حرامی نہیں ہو----کس بات کی سزا دے رہے ہو

اپنے آپ کو۔

اُس نے مجھے کھینچ کر دیوار کے سہارے کر دیا۔ اس جگہ سے روشندان اور روشندان سے چمکدار نیلگوں آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میری قمیض پر خون اور قے کے دھوئے جانے کے نشان تھے۔ اس نے مجھے چائے پلائی۔ میرا حلق بُری طرح درد کر رہا تھا۔ چائے پی کر جسم میں زندہ ہونے کا احساس تازہ ہو گیا۔ میرے پاؤں بُری طرح سوجے ہوئے تھے۔ میں نے پاؤں موڑنے کی کوشش کی لیکن درد کی شدت کے باعث ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ میں اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ میں اپنے آپ کو کس بات کی سزا دے رہا ہوں؟ تھوڑی دیر پہلے مجھے چائے پلانے والے نے بھی یہی جملہ کہا تھا۔ وہ یہی کہہ سکتا تھا۔ اُسے کیا پتا تھا کہ کون سزا دے رہا ہے اور کون سزا دلوا رہا ہے، میں تو اب تک یہ بھی نہیں جان سکا تھا کہ مجھے کس بات کی سزا دی جا رہی ہے۔

میری زندگی بالکل سیدھی سادی تھی، لیکن میرے اندر کوئی اور بھی تھا، جو مجھ پر حکمرانی کرتا تھا، وہ مجھ سے شاعری کراتا تھا، کہانیاں لکھواتا تھا، معتوب لوگوں سے ہمدردی پر مجبور کرتا تھا۔ مجھے مکمل طور پر حاضر جناب، جی جناب، آپ کا دیرینہ خادم اور آپ کا مخلص ہونے سے روکتا تھا۔ میری محبت اور نفرت کے سارے فیصلے وہی کرتا تھا اپنے اندر چھپے ہوئے اس سائے سے نجات حاصل کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ آج میں نے اُسے پا لیا تھا---یہ غلام تھا غلامو اور غلاماں کا بیٹا غلام، خیر پورٹامے والی میں پیدا ہونے والا ایک حقیر کیڑا، جس نے تیس سال تک خود کو تبدیل کرنے کی

Scanned with CamScanner

کوشش کی تھی۔ جس نے پسماندگی کے جہنم میں جنم لے کر ایک ادیب اور شاعر بننے کا خواب دیکھا تھا میں سوچتا رہا۔ خود سے باتیں کرتا رہا اور اسی دوران نہ جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔

"اسے اُٹھا کر چائے پلاؤ۔ میرے سر پر کھڑے ہوئے دو آدمیوں سے ایک نے کہا اور دوسرے نے چائے کی کیتلی، پیالی اور پلیٹ میں رکھا ہوا بن میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے چپ چاپ چائے پی لی۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے ایک سگریٹ بھی دی۔ جب سے میں نے سگریٹ پینی شروع کی تھی۔ پہلی بار مجھے اتنے وقفے سے سگریٹ پینے کا اتفاق ہوا اور اتنے وقفے سے سگریٹ پینا بڑا الطف انگیز لگ رہا تھا۔

"دیکھو یار۔۔۔۔تم جوان آدمی ہو۔ اپنے آپ پر رحم کرو اور جو کچھ وہ حرامی پوچھتا ہے، اُسے بتا دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔ اپنی گردن کیوں پھنسا رہے ہو۔ جو کرتے ہیں ان کو بھرنے دو۔ تم غریب آدمی ہو تمہیں کیا ملے گا۔" میرے پاس ہی اکڑوں بیٹھے ہوئے آدمی نے اس انداز میں کہا جیسے اُسے مجھ سے بڑی ہمدردی اور اُن سے شدید نفرت ہو، جو مجھ سے سب کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔ اُس کا ایک ایک لفظ مجھے پوری طرح سمجھ میں آ رہا تھا۔

"ہاں بھئی۔۔۔۔اپنے آپ پر اور ہم پر بھی رحم کرو۔۔۔۔ہم لوگ تو مجبور ہیں جو حکم ملتا ہے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری تو یہی نوکری اور یہی روزگار ہے۔" دوسرے آدمی نے جو تھوڑی دیر پہلے مجھے سگریٹ دے چکا تھا کہا۔

جب چائے اور سگریٹ ختم ہو گئی تو انہوں نے مجھے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ لیکن میرے لیے اُٹھنا ممکن نہیں تھا۔ تلوے زمیں پر رکھتے ہی میری چیخ نکل گئی۔ اس لیے اُن دونوں نے مل کر مجھے گود میں اُٹھا لیا اور چیف کے کمرے تک پہنچا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

انہیں کمرے میں اس کے علاوہ دو اور آدمی بھی بیٹھے تھے۔

ایک بار پھر وہی سوال پوچھے جا رہے تھے۔ جو ایک بار پہلے بھی مجھ سے پوچھے جا چکے تھے۔ لیکن میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور اس کا انہیں یقین ہی نہیں آتا اُسی کو دُہرانے سے فائدہ۔ اس میں خاصا وقت گزر گیا، کیوں کہ سوالوں کے ساتھ اُن کی نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

"پانی تیار ہو گیا ہو تو لے آؤ" چیف نے دروازے پر کھڑے ان دونوں آدمیوں سے کہا جو مجھے لے کر آئے تھے۔ میں پاؤں کا ایک حصہ زمیں پر ٹکائے کُرسی پر بیٹھا تھا اور ساری احتیاط کے باوجود درد کی لہریں مسلسل پاؤں سے اُوپر کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں واپس آ گئے انہیں دیکھتے ہی چیف نے اشارہ کیا اور اُن میں سے ایک آدمی نے خاصا تیز گرم پانی میرے پاؤں پر پلٹ دیا۔ میرے پاؤں پر آبلے تو نہیں پڑے لیکن بے ساختہ میری چیخ نکل گئی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں ابھی اس نئے درد کو اُٹھتے ہوئے آدھا منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک بار پھر میرے پاؤں میں آگ لگ گئی، حالانکہ اس بار ٹھنڈا یخ پانی پاؤں پر ڈالا گیا تھا۔ خود مجھے اپنی چیخ دیر تک گونجتی ہوئی سنائی دیتی رہی۔ میں نے تلوے زمیں پر ٹکا کر کھڑا ہونے کی کوشش کی

Scanned with CamScanner

جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور میں اپنے پورے بوجھ سے کرسی پر جا گرا۔ چیف اب بھی سوال کر رہا تھا لیکن کان میں گونجتے ہوئے چیخ کے شور کی وجہ سے مجھے اُس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسی شور کے دوران نہ جانے کس وقت میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

سڑک پر سے کوئی جلوس گزر رہا تھا اور اُسی کے آگے آگے چلتا ہوا ایک نوعمر لڑکا بلند آواز میں گا رہا تھا۔

غلامی جرم ہے
غلامی جرم ہے
میں مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔
ہم مجرم ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔
غلامی جرم ہے
غلامی جرم ہے
میں نے تو اسی میں جنم لیا ہے، ہم نے اسی میں جنم لیا ہے
مجھے اپنے بزرگوں سے ورثے میں اس کے سوا کچھ نہیں ملا
ہمیں اپنے بزرگوں سے ورثے میں اس کے سوا کچھ نہیں ملا
تم میرے ساتھ اور کیا کرو گے
تم ہمارے ساتھ اور کیا کرو گے

میں تو پہلے ہی قید میں ہوں
ہم تو پہلے ہی قید میں ہیں
اسی جیل میں
اسی جیل میں
جس کی کئی دیواریں ہیں
جس کی کئی دیواریں ہیں
ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری
ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری
تم کہتے ہو تم انہیں ختم کر دو گے
تم کہتے ہو تم انہیں ختم کر دو گے
اسی لیے تم مجھے ختم کرنے پر تلے ہوئے ہو
اسی لیے تم ہمیں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہو
غلامی جرم ہے
غلامی جرم ہے
میں مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں
ہم مجرم ہونے کا اقرار کرتے ہیں
غلامی جُرم ہے

Scanned with CamScanner

غلامی جُرم ہے

غلامی جرم ہے

میں مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں

ہم مجرم ہونے کا اقرار کرتے ہیں

ایک ساتھ سڑک سے گزرتے ہوئے سارے بچے، بوڑھے اور عورتیں مل کر گانے لگے۔ گانے کی آواز مسلسل میرے کانوں کے درمیان گونج رہی تھی۔ میں نے اس آواز کے ساتھ آواز ملا کر گانے کی کوشش کی، لیکن میری آواز حلق سے باہر ہی نہ آسکی۔ زخمی تلووں پر گرم اور پھر ٹھنڈا پانی پڑنے سے میری حالت غیر ہو رہی تھی بہت دیر بعد بھی میں حواس پر قابو پانے میں ناکام رہا۔ وہ سب میری ہی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے انہیں کاغذ اور قلم دینے کے لئے کہا کلپ بورڈ میں لگے ہوئے کاغذ اور قلم فوراً میرے سامنے کر دیے گئے۔ میں نے لکھا غلامی جرم ہے اور میں مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔" یہ جملے پڑھتے ہی اُس کا چہرہ اور زیادہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے پورے زور سے ٹانگ گھمائی۔ بے ساختہ میرے پاؤں دوسری طرف گھوم گئے۔ اگر اس عمل میں تھوڑی سی بھی تاخیر ہو جاتی تو یقیناً میرے پاؤں جو پہلے ہی بہت زیادہ تکلیف دے رہے تھے اور زیادہ تکلیف دینے لگتے کیوں کہ اب میری دائیں پنڈلی میں آگ جل رہی تھی۔ اُس کے منہ سے ہر ممکن گالی اُبلی پڑ رہی تھی۔

میں نے ساتھ کھڑے ہوئے ایک آدمی کو اشارے سے بتایا کہ میرا پیشاب

خطا ہونے والا ہے۔ اُس نے یہی بات چیف کو بتائی اور جس طرح وہ مجھے لائے تھے، اُسی طرح اُٹھا کر باتھ روم تک لے گئے۔ واپسی پر چیف نے مجھے واپس لے جانے کی اجازت دے دی لیکن اب اس بار جس کمرے میں مجھے رکھا گیا وہ پہلے کمرے سے بالکل مختلف تھا زیادہ تاریک اور زیادہ بدبو زدہ۔

جب میری آنکھ کُھلی تو؛ میں گہرے اندھیرے میں پڑا تھا۔ میں سوچنے لگا۔ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ خواب جو میں روزانہ ہی دیکھتا تھا۔ جب دوپہر کے کھانے کے بعد رات کو دفتر جانے سے پہلے میں تھوڑی دیر کے لئے سوتا تھا تو میری حالت عجیب ہو جاتی تھی۔ اس حالت کو میں نے ایک نظم کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کی تھی۔

دن بھر سوسُلا کر اُٹھتا ہوں۔
تو سب کچھ بکھر چکا ہوتا ہے
سب سے پہلے ہاتھ سیدھے کیے جاتے ہیں
پھر اُن کی مدد سے
چہرے کو ڈھونڈا جاتا ہے
ٹانگوں کو ٹخنوں اور اُوپر کے دھڑ کو
نچلے دھڑ سے جوڑنے کے بعد
گردن کو لٹکے ہوئے کاندھوں کے درمیان
کسا جاتا ہے

اور سُتے ہوئے چہرے پر
سفید بالوں کے درمیان
ایک گھسی ہوئی کھوپڑی؛ کوفت کیا جاتا ہے
روزانہ
روزانہ دفتر جانے سے پہلے

بالکل یہی حال تھا۔ میں آہستہ آہستہ اپنے ہر عضو کو تلاش کر رہا تھا، لیکن عملاً یہ کام اس قدر آسان نہیں تھا، جیسا کہ نظم میں دکھائی دیتا ہے۔ میرے کئی حصے تو بالکل مردہ ہو چکے تھے۔

دراصل اس نظم کے ذریعے میں نے ایک ریڈیو مانیٹر کا پورٹریٹ بنانے کی کوشش کی ہے ریڈیو مانیٹر کا کام اخبار کے لئے تمام بڑے ریڈیو اسٹیشن سن کر خبریں حاصل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں بعض باتوں سے خاص طور پر گہری دلچسپی کا اظہار کیا جاتا ہے، مثلاً ہندوستان کے بارے میں ہم کوئی خبر نظر انداز نہیں کر سکتے اگر وہاں کوئی افسوسناک واقعہ ہوا ہے تو ہم اسے بدانتظامی کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اگر کوئی ترقی ہوئی ہے تو اس کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اس کا مقصد اخبار پڑھنے والوں میں بھارت کا خوف پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ہماری دلچسپی کا سب سے بڑا موضوع فسادات ہوتے ہیں اگر فساد مسلمانوں سے ہو تو کیا ہی بات ہے۔ ڈیسک پر بیٹھے ہوئے ہر آدمی کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ہم اُسے کبھی ہندو مسلم فساد نہیں لکھتے،

Scanned with CamScanner

یہ سیدھے سیدھے مسلم کش فسادات ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہماری دلچسپی کا موضوع دوسری اقلیتیں بھی ہیں، آسامیوں کا قتل، عام اور سکھ کش فسادات، ہم اس جھوٹ کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ کبھی بھی پڑھنے والوں کے بارے میں نہیں سوچتے۔ اسی طرح خود اپنے ملک میں ہونے والے واقعات کے بارے میں ہمارا روّیہ احتیاط اور دور اندیشی کا مظہر ہوتا ہے ہر صورت میں محکمہ اطلاعات کی الہامی ہدایات پر عمل اور سرکاری پریس نوٹ کرنمایاں کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے، لیکن ہمارے قاری اتنے معصوم ہیں کہ وہ اخبار میں چھپی ہوئی ہر بات کو سچ سمجھتے ہیں اور اس کے باوجود بھی حکومت کو شکایت رہتی ہے کہ ہم لوگ تشدد کی خبروں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، حالانکہ حالت یہ ہے کہ ہم ٹریفک کے حادثوں تک کی خبروں کو پریس کے مطابق شائع کرتے رہے ہیں تشدد کے واقعات کو تو کبھی پوری طرح بیان ہی نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اُس وقت میرا پورا جسم بکھرا پڑا تھا اور تلوے اور پنڈلیاں تقریباً مردہ پڑی تھیں، کوئی عضو دماغ کا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ گویا مکمل انارکی تھی۔ تشدد کے بعد جسم کی اس انارکی کو کبھی کسی اخبار میں شائع نہیں کیا گیا۔ اسے کیسے بیان کیا جا سکتا ہے کہ مردہ پیروں سے جب درد کی لہر جسم کے بالائی حصے کی طرف آتی ہے تو کیا محسوس ہوتا ہے؟ اسے کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اگر میں کہوں کہ تانبے کے تاروں میں برقی رو اسی طرح دوڑتی ہے۔ تو آپ کیا سمجھیں گے؟ ظاہر ہے آپ کچھ نہیں سمجھے ہوں گے کہ تانبے کے تار میں سے جب کرنٹ گزرتا ہے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ تو جناب یہ ہے ہماری پسماندگی

ہم نے اپنی زبان میں اُسے بیان کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، اس لیے زبان بھی پسماندہ ہوگئی۔ گویا تشدد کے نظام میں ہر چیز تشدد سے گزرتی ہے وہ متعلق ہو یا غیر متعلق ابھی میں نے جو نظم دہرائی ہے وہ اصل صورتحال کی ایک معمولی سی تصویر بناتی ہے، اُس کی پوری شدت کو منتقل نہیں کرتی۔ دماغ کا حکم نہ ماننے والے اعضا پر مشتمل ایک جسم میں زندہ رہنے کی اذیت آپ اسے کیا سمجھیں گے لیکن میں آپ کو ہر بات بتانے کی کوشش کروں گا۔

میں نے اپنے نچلے دھڑ کو حرکت دینے کی کوشش کی، لیکن کوئی بہت بھاری چیز میری ٹانگوں پر رکھ دی گئی تھی جو اندھیرے کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں اس بوجھ کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کے سوا کیا کر سکتا تھا۔ لیکن سوائے اس کے کہ میں بہت جلد ہانپنے لگا کوئی نتیجہ نہ نکلا پھر بھی میں نے اپنی کوشش ترک نہیں کی اور آخر میں اُس بوجھ کے نیچے سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود میرے گھٹنے مُڑنے پر تیار نہیں تھے اور میں بہر صورت گھٹنوں کو موڑ کر تلووں پر ہاتھ پھیرنا چاہتا تھا۔ اس دوران نہ جانے کس وقت میں گہری تاریکی میں جا گرا۔ شاید مجھے کسی ایسی جگہ ڈال دیا گیا تھا کہ معمولی سی حرکت مجھے اُس تاریک گہرائی میں دھکیل سکتی تھی۔

میں ایک بڑے اسٹیج کے سامنے کھڑا تھا۔ اتنا بڑا اسٹیج میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اسٹیج کے وسط میں ایک آدمی رسیوں سے بندھا ہوا کھڑا تھا اور چلّا رہا تھا میں آزاد ہوں میں آزاد ہوں۔

تمہیں کس نے بتایا ہے تم آزاد ہو؟ اسٹیج کے پیچھے سے بہت سے لوگوں نے

کورس میں گاتے ہوئے پوچھا۔

میرا ملک آزاد ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ میں آزاد ہوں رسیوں
میں بندھے ہوئے آدمی نے انہیں کی طرح چلاّتے ہوئے جواب دیا۔

وہ ہنسنے لگے اور کورس میں گانے لگے۔

رسیوں سے بندھا ہوا آدمی کہتا ہے میں آزاد ہوں۔
رسیوں سے بندھے ہوئے اس آدمی کو کون بتائے گا
اسے کون بتائے گا آزادی کیا ہے

میں بتاؤں گا میں نے اسٹیج پر چڑھتے ہوئے کہا

تم کون ہو اسٹیج کے پیچھے سے گاتے ہوئے لوگوں نے پوچھا۔

میں۔۔۔۔غلام ہوں

غلام ولد غلاموسکنہ خیر پور ٹامے والی میں نے انھی کی طرح گاتے ہوئے کہا
"تمہیں کس نے بتایا کہ تم غلام ہو" اسٹیج کے پیچھے سے کورس گاتے ہوئے لو
گوں نے پوچھا۔

"مجھے اس آدمی نے بتایا ہے، رسیوں سے بندھے ہوئے اس آدمی نے
میں نے پھر اُنھی کی طرح گاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ ہنسنے لگے اور گانے لگے

"غلام ولد غلاموسکنہ خیر پور ٹامے والی کہتا ہے

رسیوں سے بندھے ہوئے اس آدمی نے اسے بتایا ہے
کہ وہ غلام ہے۔

یہ دونوں جھوٹ بولتے ہیں، آؤ ہم ان دونوں کو ختم کردیں،
رسیوں سے بندھے ہوئے اس آزاد کو اور کھلا پھرتے ہوئے اس غلام کو،
آؤ، انہیں ختم کردیں،۔۔۔۔۔انہیں جو ہمارا وہم بھی ہیں اور دھوکا بھی۔"

وہ اسٹیج پر چڑھ آئے اور میری طرف بڑھنے لگے اور میں اُن سے بچنے کے لئے بھاگنے لگا۔ میری رفتار کے ساتھ ساتھ اسٹیج کا پھیلاؤ بھی بڑھ رہا تھا۔

آخر میرا تعاقب کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بھی میں زمین پر گر پڑا اور مسلسل بھاگنے کے باعث زخمی ہونے والے تلوؤں کو سہلانے لگا۔ میں بائیں کروٹ پر لیٹا ہوا تھا اور گھٹنے۔۔۔۔۔کاندھوں کی طرف مڑے ہوئے تھے۔

صبح کے وقت ایک آدمی چائے اور بسکٹ لے کر آیا

"اب کیا حال ہے؟ چائے رکھنے کے بعد اُس نے میری کلائی کو کسی ڈاکٹر کی طرح چھوتے ہوئے پوچھا اور اس سے پہلے کہ میری حیرت زدہ آنکھیں اُس کے سوال کا مطلب پوچھتیں، وہ خود ہی بول پڑا "تمہیں پرسوں سے بخار ہے، پریشان نہ ہونا انہوں نے تمہیں ڈاکٹر کو دکھا دیا تھا اور دوائی تو میں نے خود تمہیں پلائی ہے خود اپنے ہاتھوں سے۔"

وہ چپ ہو گیا لیکن میں اس نرمی اور تبدیلی سے بھی خوفزدہ تھا۔ بخار کے دوران

Scanned with CamScanner

ہی میرا کمرا تبدیل کر دیا گیا تھا۔ ممکن ہے ڈاکٹر کے آنے سے پہلے کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ کمرا خاصا روشن تھا۔ اس میں عقبی روشن دان کے علاوہ دروازے کے اُوپر بھی ایک روشندان بنا ہوا تھا، جس کے پہلے حصے میں سلاخیں اور دوسرے میں لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی۔

میرے پاؤں خاصے ٹھیک ہو چکے تھے، لیکن اب بھی اُن پر بوجھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد مجھے پھر طلب کر لیا گیا۔ اس بار مجھے جہاں لے جایا گیا، وہاں چیف اور اس کے آدمیوں سے ایک بھی نہیں تھا۔ اُسے وہ لوگ "صاحب کا کمرا کہہ رہے تھے۔

دیکھنے میں صاحب پر بنک افسر ہونے کا گمان گزرتا تھا۔ درمیانہ قد، مضبوط جسم، چھوٹے چھوٹے لیکن بڑی ترتیب سے جمے ہوئے بال، سنہری فریم لگے نظر کے چشمے کے پیچھے چمکتی ہوئی بڑی بڑی کشادہ آنکھیں وہ ایک بڑی میز کے پیچھے کین کی گھومنے والی کرسی پر بیٹھا اپنے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ اُن میں سے ایک بمشکل تیس سال کا اور دوسرا پچاس کے سن کا ہوگا۔ مجھے لے جا کر کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ اُن کے درمیان اخلاقیات کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ زخمی ہونے کے باوجود میرے پاؤں اس قابل ہو گئے تھے کہ میں ایڑیاں زمین سے ٹکا کر آرام سے بیٹھ سکتا تھا۔ پہلے تو میں لاتعلق رہا لیکن پھر اُن کی گفتگو سننے لگا۔ "صاحب" کہہ رہا تھا "لیکن ہم اخلاقیات کے ثقافتی پہلو کو کسی صورت فراموش نہیں کر سکتے اِس پر ہم پھر کسی وقت بات کریں گے۔"

" کیا حال ہے طبیعت اب کیسی ہے؟ پہلے سے تو بہتر لگتی ہے؟" شاید ان تمام

لوگوں کی تربیت اس طرح کی گئی تھی کہ وہ بہت مختصر سوال کرتے پھر اُس کا جواب بھی خود ہی دے دیتے اور پھر سوالیہ انداز سے جس طرح وہ میری طرف دیکھ رہا تھا، دیکھنے لگتے اُس کے چہرے پر ایسی دوستانہ اور مشفقانہ مسکراہٹ تھی کہ مکاری کا شبہ تک نہ ہوتا تھا۔ میں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ "سگریٹ"۔۔۔۔ اُس نے سگریٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ بہت طلب ہو رہی ہوگی۔ تم تو روزانہ ڈیڑھ دو پیکٹ سگریٹ پینے والوں میں سے ہو۔ اس عمر میں تو ویسے بھی زیادہ سگریٹ نہیں پینے چاہیں اور اس صورت میں تو خاص طور پر جب زندگی میں کوئی بڑا کام کرنے کا ارادہ ہو۔ کسی بھی بڑے کام کے لئے اچھی صحت بہت ضروری ہے۔" اُس نے ادھیڑ عمر شخص کے پیچھے سے آ کر مجھے سگریٹ دیا اور خود اپنے لائٹر سے سلگانے میں مدد بھی دی۔

"چائے تو تم پی چکے ہو گے چلو کافی ہو جائے، جاؤ بھئی کافی لے آؤ۔" اس کے بعد اُس نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ لگایا اور تھوڑی دیر تک میری طرف دیکھنے کے بعد کہا "ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم قوم پرستی کے رجحان پر بات کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے، کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے قوم پرستی کا جذبہ بہت ضروری ہے۔ ترقی ہی کیا بقا کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا اُس نے مجھے مخاطب کیا۔

"جی ہاں" میں نے مختصر جواب دیا۔ میں مسلسل یہ سوچتا رہا کہ مجھے اگر اس گفتگو میں شریک ہونے کے لئے کہا جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بہر صورت اُن صاحب کی گفتگو کا انداز بالکل مختلف تھا، واقعی مہذب اور شائستہ۔

Scanned with CamScanner

"کیا تم اس بارے میں اپنے خیالات بتانا پسند کرو گے" اُن صاحب کے دائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے نوجوان نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"اس بارے میں انہوں نے بہت درست کہا ہے۔ اجتماعی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے محض مادی محرک کافی نہیں ہوتا بلکہ جذباتی محرک کو بھی بروئے کار لانے کی ضرورت ہوتی ہے پوری صلاحیت اور حقیقی قوت کو صرف اسی صورت بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔" کوئی انجانی قوت مجھے بولنے پر آمادہ کر رہی تھی اور یوں بھی اس بارے میں مجھے اپنے خیالات چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔

"اور قوم ایک اجتماع کے اتحاد کا نام ہے" صاحب نے میری ہی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔"

"لیکن کچھ لوگ اسے کُل نہیں مانتے اُن کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں کچھ لوگ ایسے ہیں۔۔۔لیکن ہمارے ہاں تو شاید ہی کوئی ایسا ہو"

"میرا مطلب ہے قومیتوں کی بات کرتے ہیں مثلاً سندھی قومیت، بلوچ قومیت پشتون قومیت وغیرہ" صاحب کے علاوہ دونوں افراد خاموش بیٹھے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"جی ہاں۔۔۔پنجابی اور سرائیکی قومیت وغیرہ۔" میں نے اُس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا لیکن جملے کی یہ تکمیل بائیں طرف بیٹھے ہوئے قدرے عمر رسیدہ

شخص پر بہت گراں گزری ممکن ہے پنجابی کے ساتھ سرائیکی قومیت کا ذکر اُسے ناگوار گزرا ہو۔ قومیتوں کی بات کرنے والے بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سرائیکی قومیت کا ذکر سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ صرف عام لوگ ہی نہیں وسطی پنجاب کے بہت سے ترقی پسند دانشور بھی سرائیکی قومیت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔۔۔

"میرا خیال ہے اس اندازِ فکر کا قومی ترقی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" کچھ توقف کے بعد میں نے جملہ مکمل کر دیا۔

"لیکن یہ تو ایک خاندان کو توڑنے کے مترادف ہے" صاحب نے بات کو آگے بڑھایا۔

"میرے خیال میں یہ محض قومیتوں کے علاقائی تشخص کا اعتراف ہے۔ جہاں تک گھر کو توڑنے کی بات ہے تو گھر یا خاندان ہمیشہ مجتمع رہنے والی اکائی نہیں خاندان کا یہ تصور مبہم ہے گھر تو ایک پھلتی پھولتی اور نئے گھروں کو وجود میں لانے والی اکائی ہے۔ جو جتنی پھیلتی ہے اتنی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ آپ خود سوچیں بچے ہوتے ہیں، پھر وہ بڑے ہوئے ہیں، انہیں دوسرے خاندانوں سے منسلک کیا جاتا ہے۔ یہ مسلسل تقسیم گھر کی تقویت کا فطری عمل ہے۔ قومیتوں کو تسلیم کرنا، ان نئے گھروں کو تسلیم کرنا ہے ہمارے مذہبی حوالے سے بھی اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ عالمی سطح پر بھی آپ دیکھیں تو سارے عرب ایک زبان بولتے ہیں، اُن کا مذہب ایک ہے، اُن کی ثقافت مشترک ہے۔ ساری دنیا میں عربوں کو ایک قوم سمجھا جاتا ہے لیکن اُن کے الگ الگ

Scanned with CamScanner

ملک ہیں۔ انہیں جغرافیائی حوالوں سے پہچانا جاتا ہے اور خود ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے اندرونی معاملات میں یہاں تک بھی جائیں تو کوئی برائی نہیں۔"

"بھئی بات تو تم نے بالکل درست کہی ہے، لیکن اس طرح کتنے لوگ سوچتے ہیں جتنے ادیبوں، دانشوروں اور سیاستدانوں کو میں جانتا ہوں وہ تو اس کی بنیاد نفرت پر رکھتے ہیں اور اپنے خیالات کو پھیلانے کے لئے اقتصادی حق کے غصب کیے جانے کی بات کرتے ہیں۔ خاص طور پر پنجاب کے خلاف بات کی جاتی ہے۔ جی پنجاب لُوٹ رہا ہے۔ حالانکہ پنجاب ایک بڑا صوبہ ہے، اُس کے وسائل زیادہ ہیں، وہاں ترقی کی رفتار تیز ہے اس لیے اُس کے لوگ نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ آپ نے بالکل درست کہا کہ پنجاب کے بارے میں لُوٹ مار کا کہا جاتا ہے لیکن اس سلسلے میں پہلی بات تو غالباً یہ ہے کہ جو لوگ پنجاب کی لُوٹ مار کا ذکر کرتے ہیں وہ سارے پنجاب پر اس کا الزام نہیں لگاتے بلکہ ایک خاص طبقے پر لگاتے ہیں دوسری بات یہ کہ پنجاب کو بلاوجہ بڑا صوبہ بنا دیا گیا ہے اگر اُس میں سے سرائیکی زبان بولنے والوں کا صوبہ الگ کر دیا جائے تو پنجاب بڑا صوبہ نہیں رہے گا۔ اس طرح اس تاثر کو روکا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ طبقہ جو پنجاب کے بارے میں غلط فہمی پیدا کر رہا ہے اس پر کبھی تیار نہیں ہوگا وہ تو اس پر بھی تیار نہیں ہوگا کہ بعض اہم امور صوبوں کو دے دیے جائیں۔۔۔۔قومی توازن پیدا کرنے کے لئے بہر صورت ہمیں ایسا کرنا پڑے گا۔ لیکن ظاہر ہے یہ کام میرے یا آپ کے کرنے کا نہیں۔ اسے تو کسی اور ہی طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔"

"اور طریقے سے۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟" نوجوان نے تیزی سے پوچھا۔

"باہمی صلح اور صفائی سے، حقیقی منتخب نمائندوں کے ذریعے ورنہ تو ریڈ کلف اور ماؤنٹ بیٹن کے ذریعے فیصلے کرنے والی بات ہو جائے گی۔"

"اس طرح سوچنے والے کتنے لوگ ہوں گے؟" صاحب نے سوال کیا۔

"یقیناً ایک بہت بڑی تعداد ہوگی۔"

"مثلاً۔۔۔۔ کچھ ایسے لوگ جنہیں تم جانتے ہو؟ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ اس طرح سوچنے والے چند سو بھی ہوں گے، خاص طور پر کراچی میں۔ میں اُن لوگوں سے ضرور ملوں گا اور اُن کے دلائل بھی سنوں گا۔

گفتگو نے تفتیش کا رُخ اختیار کر لیا تھا اور مقصد صرف ایک تھا کہ میرے منہ سے کیا نام نکلتے ہیں۔ میں سوچنے لگا کہ اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔

"بھئی اس میں اتنا سوچنے کی کوئی بات نہیں۔ اگر ایسے لوگ ہیں تو ہم اُن سے تمہاری موجودگی میں ملیں گے۔ اس سے پورے معاملے کو سلجھانے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کیا جا سکتا ہے کہ تم لوگ صرف گڑبڑ پھیلانے کے لئے ہی نہیں بلکہ بہتر خیالات کو پھیلانے کے لئے بھی کام کر رہے ہو؟ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے تمہیں ہماری مدد کرنی چاہیے۔ اس سے خود تمہارے معاملے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔" صاحب نے بڑے تحمل سے ایک ایک لفظ کو بڑی احتیاط سے ادا کیا۔

Scanned with CamScanner

"دراصل بات یہ نہیں کہ میں کسی سوچ میں پڑ گیا ہوں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو میں زیادہ جانتا ہوں۔ اُن کا تعلق ادب شاعری اور مصوری وغیرہ سے ہے۔ اُن سے میری گفتگو زیادہ تر انہی مسائل پر رہتی ہے میں کیونکہ اخبار سے بھی تعلق رکھتا ہوں۔ اس لیے آپ کی گفتگو میں شریک ہو گیا۔" میں نے اپنی طرف سے ممکن حد تک شریفانہ طور پر انکار کر دیا۔

"چلو انھی کے نام بتا دو، ہم انھی سے مل لیں گے۔ اس سے تمہاری مشکل بھی ختم ہو سکے گی اور اگر تم پسند کرو گے تو ہم اُن سے ملنے کے لئے تمہیں بھی ساتھ لے چلیں گے۔" بائیں طرف بیٹھے ہوئے عمر رسیدہ شخص نے بہت دیر بعد گفتگو میں حصہ لیا۔

"بالکل۔۔۔۔ بلکہ تمہیں ضرور ساتھ لے چلیں گے کیوں کہ اس طرح تمہیں بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا مقصد کچھ اور نہیں" میں نے عمر رسیدہ شخص کی تائید کی۔

"میں کسی کا نام نہیں دے سکتا کیوں کہ جن لوگوں کو میں جانتا ہوں اُن لوگوں کا اس طرح کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔" اب واضح انکار کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"تم اپنے لیے مشکل پیدا کر رہے ہو" نوجوان نے غصے کو دباتے ہوئے کہا شاید اُسے مجھ سے اس طرح کے صاف انکار کی توقع نہیں تھی۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک شخص نے آ کر صاحب کے کان میں کچھ کہا۔

"اچھا۔۔۔ تم ذرا باہر بیٹھو ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔۔۔۔۔۔" یہ کہہ کر وہ اُن دونوں کے ساتھ کمرے سے نکل گیا اور مجھے دروازے سے باہر بچھی ہوئی

بینچ پر بٹھا دیا گیا۔

میں نے بینچ پر بیٹھ کر سوچا کہ گفتگو میں حصّہ لے کر میں نے اچھا نہیں کیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجھے ان باتوں کو سوچتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ۔۔۔۔ تین کمروں کے آخر پر واقع راہداری کے اختتام سے گھبرائی ہوئی آوازیں آنے لگیں۔

"جلدی لے چلو۔۔۔۔ اس کی حالت خراب ہو رہی ہے۔" اُن تینوں میں سے کسی نے کہا، جو ایک عورت کو اُٹھائے ہوئے میری ہی طرف آ رہے تھے میرے بہت قریب سے گزرتے ہوئے وہ راہداری کے دوسرے کونے کی طرف مُڑ گئے۔ اُس عورت کی شکل بہت دیکھی ہوئی تھی لیکن میں فوری طور پر اسے بالکل نہیں پہچان سکا۔ شاید وہ مر چکی تھی یا مرنے ہی والی تھی۔ مسلسل سوچنے سے مجھے یاد آ گیا۔ یونیورسٹی کے زمانے میں نے اُسے دیکھا تھا۔ وہ بہت سرگرم تھی۔ اس کے علاوہ خوبصورتی اور سادگی کی وجہ سے وہ ہر ایک کی توجہ کا مرکز رہتی تھی۔ شلوار قمیض کے مردانہ چپل، سفید سوتی دوپٹہ اور بغل میں لٹکا ہوا کپڑے کا تھیلا اس کی پہچان تھے۔ وہ ہر مظاہرے میں پیش پیش ہوتی یونیورسٹی کے زمانے ہی میں اُس نے ایک لڑکے سے جسے ناپسندیدہ ہونے کی بناء پر انتظامیہ نے یونیورسٹی سے نکال دیا تھا؟ اس لڑکے کے خلاف حکومت نے بھی کئی مقدمات قائم کیے ہو ئے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ روپوش ہو گیا تھا۔ پھر یہ لڑکی بھی لاپتہ ہو گئی اور ہم انہیں بھو ل بھال گئے۔ اتنے عرصے بعد میں نے اُسے آج یہاں اُس حال میں دیکھا دہشت کی وجہ سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں اچھی طرح سُن چکا تھا کہ وہ عورتوں

Scanned with CamScanner

کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور اب وہ اُن کے ہتھے چڑھی ہوئی تھی۔ پتا نہیں وہ اُس کے ساتھ کیا کچھ کر رہے ہوں گے۔ میرے دل میں اُن کے خلاف شدید غصّہ پیدا ہو گیا۔ اُس لوگوں کے لئے جائے جانے کے تھوڑی دیر بعد اور وہ تینوں پھر واپس آ گئے اور مجھے بھی کمرے کے اندر پہنچا دیا گیا۔ وہ تینوں مسلسل میری طرف دیکھ رہے تھے اور ان آنکھوں سے بچنے کا میرے پاس یہی طریقہ تھا کہ میں سر جھکا کر بیٹھ جاؤں۔

"ہاں بھئی ـــــ تم نے یاد کر لیے کچھ نام؟" صاحب نے تھوڑی دیر کے بعد پوچھا۔

میں کسی کا نام نہیں بتا سکتا۔ آپ لوگ غلطی پر ہیں۔ جو کچھ کر رہے ہیں۔ غلط ہے آپ اس کے ذمے دار ہوں گے، آپ نے اس ملک کو جہنم بنا دیا ہے میں اس کے خلاف عدالت سے رجوع کروں گا۔" میں نے پوری قوت سے کہا لیکن میری آواز اور لہجہ ایسا تھا جیسے میں اُن سے رحم کی اپیل کر رہا ہوں۔

" کیا تم اس عورت کو جانتے ہو؟" اُس نے بڑے مطمئن لہجے میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں کسی کو نہیں جانتا۔"

" کیا وہ تمہیں جانتی ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے کوئی نہیں جانتا آپ بھی مجھے نہیں جانتے۔"

"یونیورسٹی کے زمانے میں یہ اور اس کا شوہر تمہارے ساتھ تھے اور سیاسی

سرگرمیوں میں حصّہ لیتے تھے۔ اُس نے بتایا ہے کہ وہ تمہیں جانتی ہے۔"

"مجھے پتا نہیں۔" میرا لہجہ اور آواز خود میرے لیے اجنبی تھے۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم اُسے اچھی طرح جانتے ہو ـــــ وہ تیس دن سے یہاں ہے۔ بڑی مشکل سے اُس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتایا ہے لیکن آخر کار سب کچھ بتانا ہی پڑتا ہے۔ اگر وہ یہ سب کچھ شروع ہی میں بتا دیتی تو اُسے اس حالت سے نہ گزرنا پڑتا جس سے وہ اب گزر رہی ہے۔ میں تمہیں اس حالت تک پہنچنے سے بچانا چاہتا ہوں بہتر ہے کہ تم نام بتا دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔ ہم تمہیں بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔ تمہیں بہت معمولی سزا دی جائے گی، صرف چند ماہ کی قید اور بس۔"

"دیکھئے آپ زیادتی کر رہے ہیں اگر آپ ناموں کی حد تک واقف ہونے کو جاننا کہتے ہیں تو میں دنیا کے ہزاروں لوگوں کو جانتا ہوں۔ کیا میں اُن سب کے نام دہراؤں" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ کسی وقت بھی میرے آنسو نکل سکتے تھے۔

شدید غصّے کی وجہ سے اپنے آپ پر قابو پانا اب میرے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ـــــ تم اس وقت جذباتی ہو رہے ہو" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا: "میں تمہیں واپس بھیج رہا ہوں۔ اور تمہیں ایک اور موقع دوں گا۔ آخری موقع۔ اُس کے بعد تم خود ذمے دار ہو گے۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو اور سوچو تم کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لو گے۔ اس سے زیادہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔" صاحب نے

Scanned with CamScanner

کہا اور مجھے واپس لا کر اُسی کمرے میں ڈال دیا گیا۔ ایک بار پھر میرے تلوے درد کر رہے تھے اور مساموں سے بے تحاشا پسینہ بہہ رہا تھا۔ بار بار میرے سامنے اُس لڑکی کا چہرہ آ رہا تھا۔ برسوں پرانی ٹی بی کی مریض، یرقان کا شکار، تیس دنوں نے اُسے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے خیال آیا کہ کاش میں بھی اُن لوگوں میں شامل ہوتا جنہیں کچھ کرنے کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جنھوں نے واقعی کچھ کیا ہوتا ہے۔

رات کی ابتدا پر ایک بار پھر میں اُسی کمرے میں اُس "صاحب" کی میز سے بالکل قریب رکھی ہوئی کُرسی پر بیٹھا تھا اور وہ مجھ سے مسلسل اصرار کر رہا تھا کہ میں اُن لوگوں کے نام لکھوں جو بقول اس کے میرے ساتھی تھے۔

"اتنا سوچنے کی ضرورت نہیں۔ بس لکھتے جاؤ". اُس نے حکم دینے کے انداز میں کہا اور اپنی کُرسی سے اُٹھ کر میرے قریب آ گیا۔ غصّے کے مارے اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ دس منٹ اور گزر گئے لیکن کاغذ اُسی طرح پڑا رہا۔ اُس کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور میری نظریں کاغذ پر۔

"حرامی۔۔۔۔ کتیا کے بچے۔" وہ میرے سر پر مُکا مارتے ہوئے چلایا "تم لوگوں کے ساتھ شرافت بے کار ہے، تم سب ایک جیسے ہوتے ہو، لیکن مجھے بھی بیس سال اسی کام میں گزرے ہیں۔ تم کیا چیز ہو۔۔۔۔ تمھارے تو فرشتے بھی سب کچھ بتائیں گے۔۔۔۔ جاؤ اُس بن مانس کے بچّے کو بلاؤ۔ کہنا ملک صاحب نے بلایا ہے۔" اُس نے ایک بار پھر اپنی کُرسی پر بیٹھتے ہوئے دروازے پر کھڑے ہوئے

آدمی سے کہا۔ ان لوگوں کے قبضے میں آنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ایک نام سُنا تھا۔ گویا اب میں جن صاحب کی نگرانی میں تھا انہیں ملک صاحب کہا جاتا تھا۔

کوئی دو منٹ بعد وہی شخص ایک لمبے تڑنگے آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کا چہرہ ایسا تھا کہ اُس کو بن مانس کی بجائے شکاری کتا کہنا زیادہ مناسب تھا۔ کمرے میں آتے ہی اس کی نظریں مجھ پر جم گئیں شاید اُسے اندازہ تھا کہ اُسے کس لیے بلایا گیا ہے میری بڑھی ہوئی داڑھی بکھرے ہوئے بال، میلی کچیلی دھبے دار قمیض ایک نظر دیکھ کر بن مانس تو کیا، کوئی بھی کہہ سکتا تھا کہ میں ضرور کسی غیر معمولی صورتحال سے دوچار ہوں۔۔

"اسے جانتے ہو؟" ملک نے بن مانس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اوئے تم پھر آ گئے۔۔۔۔ باز نہیں آئے اپنی حرکتوں سے۔۔۔۔ خیر اس بار ساری کسر نکل جائے گی۔" میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ اس گفتگو سے اُس کا مطلب کیا ہے میں اُسے بالکل نہیں جانتا تھا اور وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

"دیکھو اب بھی وقت ہے، کاغذ اور قلم تمہارے سامنے رکھے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ جانے کے بعد اگر تم کچھ کہنا بھی چاہو گے تو بے کار ہو گا۔ تم اس کے ہاتھوں سے مرو گے تو نہیں لیکن تمہیں اپنی زندگی سے نفرت ضرور ہو جائے گی۔" ملک نے اس طرح کہا جیسے وہ مجھ پر بڑا احسان کر رہا ہو۔ لیکن ظاہر ہے مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔ اُس کی

Scanned with CamScanner

ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں کسی ایسے آدمی کو اس غیر انسانی کھیل میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا جو از خود اس میں شامل نہ ہو چکا ہو اور دوسری یہ کہ اگر میں کسی کا نام غلط بھی اس کو بتا دیتا تو پھر نام بتانے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا یہ سلسلہ بھی تشدد کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ میرے لیے صرف یہی ممکن تھا کہ کسی اور بے گناہ کو اس جہنم میں لانے کی ذمے داری قبول کرنے کی بجائے برداشت بھر تشدد کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں کیوں کہ اس سے آگے جانا خود اُن کے لئے بھی ممکن نہیں تھا۔

ملک کے کمرے سے نکلتے ہی اس بن مانس کے ساتھ وہ دو آدمی اور مل گئے جو مجھے کمرے سے لائے تھے۔ ملک اس سے پہلے ہی تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر جا چکا تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی انہوں نے مجھے اُسی طرح اُٹھالیا جس طرح وہ مجھے ملک کے کمرے تک لائے تھے۔ بن مانس ان دونوں سے اُسی طرح کی گفتگو کر رہا تھا۔ جیسی پہلے والوں نے مجھے اُوپر لے جاتے ہوئے کی تھی؟ تمام تر لاتعلقی کے باوجود ساری گفتگو مجھ سے ہی متعلق تھی۔

"حرامی تم بولتے کیوں نہیں؟" برآمدے کا موڑ لیتے ہی بن مانس نے مڑ کر کہا۔ اب تک وہ پیچھے کی طرف دیکھے بغیر آگے آگے جھومتا ہوا جا رہا تھا۔ "اس کو اُٹھایا کیوں ہوا ہے تم لوگوں نے" اُس نے قدرے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے پاؤں سوجے ہوئے ہیں۔" اُن میں سے ایک نے جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔دکھاؤ۔" اُس نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ میں نے

پاؤں موڑ کر اُس کے سامنے کر دیے تا کہ آسانی سے دیکھ سکے۔ تلوے زردی مائل سبز اور کہیں کہیں سے سیاہ ہو رہے تھے۔

"ذرا زمین پر سیدھے کر کے رکھو۔" اُس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی مجھے اُٹھانے والوں نے میری ٹانگوں کے نیچے ہاتھ ڈھیلے کر دیے۔ میں نے پاؤں زمین پر رکھے لیکن درد کی شدت کی وجہ سے بوجھ ڈالنا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے اُن کے کاندھوں پر بوجھ بڑھا کر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن جیسے ہی میں نے آنکھیں بند کیں وہ ٹائر سول والی بھاری چپلوں کے ساتھ میرے پاؤں پر چڑھ گیا اور اُس سے پہلے کہ میں پاؤں کو حرکت دینے کی کوشش کرتا وہ اپنی چپلوں کو کئی بار دائیں بائیں حرکت دے چکا تھا۔ میں بے ساختہ چیخ پڑا لیکن دوسری چیخ سے پہلے ہی مجھے اُٹھانے والوں میں سے ایک نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا اور بن مانس کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "چوہدری تماشایوں کرتے ہوں۔ ذرا صبر کرو۔۔ایک بار پھر انہوں نے مجھے اُٹھالیا۔

"ممیں اینوں تھلے لاہ دیو۔" چوہدری نے کہا۔ "اس اج ٹانگ ممیں اڑاؤ۔" چوہدری بھی غصے میں بول رہا تھا۔ انہوں نے مجھے اُتار دیا۔ یقیناً چوہدری اُن سے سینیئر تھا اس لیے وہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ "اب چلو۔" چوہدری نے مجھے حکم دیا۔

"لیکن میں چل نہیں سکتا۔" تکلیف کی وجہ سے میرا سارا جسم لرز رہا تھا یہاں

Scanned with CamScanner

تک کہ میری آواز بھی رحم طلب تھی۔

"مادر چود۔۔۔۔ دوڑ کر چل۔" چوہدری نے میری کمر پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا اور میں فوراً گھٹنوں کے بل ہو کر آگے بڑھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔۔ یہ بات ہوئی نا۔۔۔۔ سیدھا چلتا رہ ماما۔ گود میں چڑھ کر کراہ رہا تھا۔"

کی ناں ہے تیرا؟"

"غلام۔"

"اوئے کُتی کے پُتر۔۔۔۔ غلام ہو کر گود میں چڑھا ہوا تھا۔" اُس نے اپنی طرف سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی اور پھر اس پر ہنستا بھی رہا ظاہر ہے۔ میں اُس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ ایک موڑ اور مُڑنے کے بعد وہ کمرہ بھی آ گیا جہاں مجھے لے جایا جا رہا تھا۔ کمرہ اور اس کا فرنیچر اُس کمرے سے بالکل ملتا جلتا تھا۔ جہاں مجھے اخروٹ کھلانے کی منزل سے گزارا گیا تھا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے اُس وقت مجھ پر کیا گزر رہی تھی اور کیسا درد تھا جو اُس وقت میرے تلووں میں ہو رہا تھا۔

"چلو بنچ پر لیٹ جاؤ۔" کمرے میں داخل ہوتے ہی چوہدری نے حکم دیا اور میں نے خاموشی سے اُس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ ظاہر ہے میں پہلے بھی اس مرحلے سے گزر چکا تھا اور اب انجان بننے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"اونہہ۔۔۔۔ ذرا کپڑے اُتار کر آرام کرو۔" لیکن اُس کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ "بابو جی۔۔۔۔ ذرا اے پتلون قمیض لا ہوتا۔"

مجبوراً میں بنچ پر بیٹھ کر قمیض کے بٹن کھولنے لگا۔ قمیض اُتار کر میں نے بینچ پر رکھ دی اور اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پتلون۔۔۔۔" اُس نے مجھے تزبزب میں دیکھ جھومتے ہوئے کہا چنڑی تو اچھی ہے۔۔۔۔ بچپن کدھر گزرا ہے۔"

مجھ سے نہیں اُترے گی۔" میں نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔۔ چل پٹی اور زنجیر کھول۔" اس نے زپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں نے بٹن اور زپ کھول دی۔ اُس نے بڑی احتیاط سے پائنچے پاؤں سے نکالے اور پھر زور سے جھٹکا دے کر پتلون کھینچ لیا۔ ایک بار پھر میں تلووں کے شدید درد سے سرلرز اُٹھا اور پاؤں سمیٹنے کی کوشش میں بینچ سے نیچے جا گرا عام حالات میں میں پتلون کے نیچے انڈر ویئر ضرور پہنتا ہوں لیکن جن حالات میں مجھے یہاں لایا گیا تھا وہ میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں گھر میں پتلون کے نیچے انڈر ویئر کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لیے اب میں ان کے سامنے بالکل برہنہ پڑا تھا۔ لیکن درد کی شدت نے شرمندگی کے احساس کو مٹا دیا تھا۔

"اُتے۔۔۔۔ واپس اُتے ہو جا سوہنڑیا۔" چوہدری نے اُسی طرح جھومتے ہوئے کہا، اور میں لڑکھڑاتا ہوا اس طرح بینچ پر ہو گیا کہ تلوے فرش کو نہ چھوئیں۔ اُس

Scanned with CamScanner

کے بعد اُس نے مجھے رسّی سے باندھنا شروع کیا۔ وہ ہر بند کو اتنا کس کر باندھ رہا تھا کہ رسّی جسم میں اُترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں۔ اب بول کچھ کہنا ہے یا شروع کروں۔" چوہدری نے مجھ سے پوچھا ۔ میں بھلا خاموشی کے سوا کیا جواب دے سکتا تھا۔

"ہاں بھئی اشرف ذرا اسے ساؤنڈ پروف تو کرو۔ میں ذرا اوزار لے آؤں۔" چوہدری نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے۔ اُن دونوں میں سے ایک سے کہا اور اُن میں سے ہی آدمی نے جس نے برآمدے میں میری چیخ کو دبانے کے لئے میرے منہ پر ہاتھ رکھا تھا میرے منہ میں کپڑے کا ایک بھیگا ہوا گولا رکھ دیا جو اُس نے کمرے میں رکھی ہوئی ایک میز پر سے اٹھایا تھا چوہدری پھر کمرے میں واپس آ چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں گز بھر کا سریا اور لکڑی کا ایک ڈنڈا تھا۔

"ہاں بھئی۔۔۔۔ کچھ کہنا ہے کہ کروں بسم اللہ" اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا مجھے اس تصور ہی سے جھرجھری آ گئی کہ اب یہ سریا میرے جسم پر برسے گا لیکن میں نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بولنا تو ویسے بھی ممکن نہیں تھا میں نے جواب میں آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن سریے کا پہلا وار ہوتے ہی مجھے بیت اور سریے کے فرق کا صاف پتا چل گیا۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے کلہاڑی کا تیز پھل کھال کر چیر کر ہڈی کے اندر تک اُتر رہا ہو۔

میں نے پوری قوت سے چیخنے کی کوشش کی لیکن ایسا لگا۔ جیسے چیخ حلق سے

ٹکرا کر جسم کے اندر گونجنے لگی ہو۔ معمولی سی غرغراہٹ کے سوا مجھے کچھ سنائی نہیں دیا۔

پہلا۔۔۔۔ دوسرا اور پھر تیسرا اس کے بعد گنتی میرے لیے ممکن نہیں رہی۔

حالانکہ تلووں پر برستے ہوئے، ایک سریے سے دوسرے سریے کے دوران آنے والے وقفے کو میں بہت واضح طور پر محسوس کر سکتا تھا۔ ہر بار جب سریا تلووں کو چھوتا تو جسم ایک جھٹکے سے پھیلتا اور سمٹتا یہ عمل اتنی قوت سے ہوتا کہ بینچ اور کمرا تک ہلتے ہوئے محسوس ہوتے اور کوئی چیز کھوپڑی کو پھاڑ کر باہر نکلتی ہوئی لگتی۔ پھر کمرے کی ہر چیز تیزی سے گھومنے لگی اور پتا نہیں کب ہر چیز ختم ہو گئی۔ شاید میں اپنے جسم سے باہر نکل چکا تھا۔ لیکن وہ میرے جسم کے ساتھ اب بھی کچھ کر رہے تھے۔ مجھے بالکل یاد نہیں۔

میرے سامنے ایک تاریک پہاڑی تھی۔ اس پر بلند قامت درخت تھے جن کی شاخیں بڑی تیزی سے ہل رہی تھیں۔ میں اس آندھی کو سن رہا تھا جو درختوں کو جڑوں سے اکھاڑنے پر تلی ہوئی تھی لیکن پوری قوت سے سانس لینے کے باوجود ہوا۔ سینے کے اندر داخل ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ شاید سانس کی نالی بند ہو گئی تھی۔ یہ شکایت میرے باپ کو بھی تھی اُس کی سانس کی نال بھی اکثر بند ہو جاتی تھی۔ پھر وہ پوری قوت سے کھانستا جوں جوں اس کا کھانسنا شدت اختیار کرتا بلغم کے زرد اور سیاہی مائل ٹکڑے اُس کے حلق سے نکل کر سامنے رکھے ہوئے ڈبے میں گرنے لگتے لیکن وہ کھانستا ہی جاتا، کھانستا ہی جاتا، یہاں تک کہ زرد ٹکڑوں کے ساتھ آنے والی سیاہی سرخی میں تبدیل ہو جاتی اور وہ بے دم ہو کر پٹ گر جاتا۔ اس کا سانس چلنے لگتا۔ گرنے

Scanned with CamScanner

سے پہلے تک وہ اپنی پسلیوں کے نیچے ہاتھ رکھے اکڑوں بیٹھا رہتا۔ میں نے بھی ہاتھ ہسلیوں کے نیچے رکھنے اور کھانسنے کی کوشش کی۔ لیکن پوری طاقت صرف کرنے کے باوجود میرے ہاتھ حرکت نہیں کر سکے۔ میں نے کھانسنے کی کوشش کی پوری قوت سے، مسلسل کوشش اور آخر تھوڑی سی ہوا پھیپھڑوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

میں سمندر کے کنارے کھڑا تھا۔

پانی کی لہریں پوری قوت سے ساحلی پہاڑیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ شاید پہلے بھی انھی لہروں کا شور تھا لیکن میری آنکھیں اس اچانک اندھیرے کی وجہ سے انہیں دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ اچانک پانی کا ایک بہت بڑا ریلا میرے جسم سے ٹکرایا۔ سمندر کا پانی اتنا سرد بھی ہوسکتا ہے، مجھے پہلی بار اس کا اندازہ ہوا۔ میں نے پوری قوت سے سر کو جھٹکا اور آنکھیں کھول دیں۔

تھوڑی دیر کے لئے، بہت تھوڑی دیر کے لئے ایک لمحے میں یا شاید لمحے کے ہزارویں حصے میں روشنی کا ایک ٹکرا میرے سامنے آیا اور غائب ہوگیا۔ میں اندھیرے میں چاروں طرف اُس روشنی کو تلاش کرنے لگا۔ میرا پورا جسم پانی سے بھیگ چکا تھا اور میں بالکل برہنہ کھڑا اپنی برہنگی پر حیران ہو رہا تھا۔ ممکن ہے میں خواب دیکھ رہا ہوں میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اچانک ایک اور لہر آئی اور مجھے دھکیلتی ہوئی بہت پیچھے لے گئی۔ ایک بار پھر میں نے ہاتھوں کو حرکت دے کر آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ شاید سردی کی وجہ سے سُن ہو چکے تھے۔ میں نے

پوری قوت سے سر کو جھٹکا جیسے ڈوبتا ہوا آدمی آخری بار پانی کی سطح پر آ کر جھٹکتا ہے۔ اس بار ہوا پوری قوت سے میرے سینے اور پھیپھڑوں میں داخل ہوئی اور میں آنکھیں پوری طرح کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں ایک روشن کمرے میں تھا اور دو آدمی میرے سرہانے کھڑے تھے۔ میں نے اُن کے ہونٹوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا لیکن مجھے اُن کی آواز سنائی نہیں دی۔

"میں کہاں ہوں؟" میں نے اُن سے پوچھا لیکن خود مجھے بھی اپنی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے، جہاں ایک بیمار آدمی کرسی پر بیٹھا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اُس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا اور ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔ میں نے اس کا سر اثبات میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔ شاید اُن دونوں میں سے کسی نے اُس سے کچھ پوچھا تھا۔ اُن میں سے ایک میرے پاؤں کی طرف آ کر بیٹھ گیا اور میرے جسم پر سے بوجھ اُترنے لگا۔ آخر کار سارا بوجھ اُتر گیا۔ لیکن مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ اس کے بعد نہ جانے کب میں ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اُسی کمرے کے ایک کونے میں دیوار کے سہارے پڑے ہوئے پایا۔ اشرف اور اُس کا ساتھی کرسیوں پر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ چوہدری کمرے میں نہیں تھا۔ میرے تلووں سے خون رِس رہا تھا اور پورے جسم پر سُرخ سبز اور سیاہ دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ درد کی شدید لہریں تلووں سے اُٹھ کر دماغ سے ٹکرا رہی تھیں۔

"ہاں بتا بھی کون کون ہے تیرے ساتھ۔" تھوڑی دیر بعد چوہدری نے

کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بولے گا کہ نہیں۔۔۔۔ تیری تو ماں پر گدھے چڑھیں۔" وہ مجھے مسلسل ٹھوکریں مارنے لگا۔ پہلی ہی ٹھوکر پر ایسے لگا جیسے میرا جسم یک لخت زندہ ہو گیا ہو اور پھر میں اُس کی ٹھوکروں کے آگے آگے فرش پر لوٹنے لگا۔ وہ مسلسل ٹھوکریں مار رہا تھا اور گالیاں دے رہا تھا۔

ایک ہفتہ ہو گیا ہے، میں تم لوگوں کی وجہ سے اپنے بچوں اور بیوی کے پاس گھر نہیں جا سکا۔ مادر چود۔۔۔۔ میں تیری زبان کھول کر رہوں گا۔۔۔۔ تجھے ایک ایک بات بتانا پڑے گی۔"

یہ سلسلہ کتنی دیر جاری رہا مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ شاید اس کا اختتام میری بے ہوشی پر ہوا ہو گا۔

ایک بار پھر جب مجھے ہوش آیا تو میرا سارا جسم پانی میں بھیگا ہوا تھا اور مجھے شدید سردی لگ رہی تھی۔ چوہدری میرے سر کو ادھر سے اُدھر حرکت دے رہا تھا اور اشرف بار بار میری ہتھیلیاں مل کر میرے ہاتھ کو اُوپر اُٹھاتا اور چھوڑ دیتا۔ اس کا انداز بالکل فری اسٹائل کشتیوں کے ریفریوں جیسا تھا شاید اُسے میرے اور چوہدری کے درمیان ہونے والی لڑائی کا فیصلہ کرنا تھا۔

میرے ہوش میں آتے ہی چوہدری پھر شروع ہو گیا۔ اس بار اُس کے ہاتھ میں دوہرا کیا ہوا بجلی کا تار تھا جھٹکے ہوئے جسم پر بجلی کا تار جس جگہ پڑتا کھال ادھڑ جاتی

ایک بار پھر میں پورے فرش پر لوٹ رہا تھا۔ زمین پر رینگتے ہوئے ایک کیڑے کی طرح میں اُس کے آگے تھا اور وہ میرے پیچھے ہاتھ کے ساتھ ساتھ اُس کے پاؤں اور زبان بھی مسلسل چل رہی تھی۔

"کُتیا کے بچے، سؤر۔۔۔۔۔۔ ماں دے یار۔۔۔ گانڈو۔۔۔۔۔ میں تیری شکل بگاڑ دوں گا۔ میں تجھے واپس جانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔۔۔۔ دیکھتا ہوں تو کب تک نہیں بولے گا۔" اُس کے جواب میں صرف میری چیخیں نکل رہی تھیں لیکن مسلسل چیخنے کی وجہ سے چیخیں اب صرف خرخراہٹ بن کر رہ گئی تھیں۔ شاید اسی لیے انہوں نے اب مجھے "ساؤنڈ پروف" کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ اچانک اُس نے تار پھینک دیا اور ڈنڈا اُٹھا لایا اور اُسے میری مقعد میں داخل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن بچنے کے لئے میری مسلسل کوشش کی وجہ سے اُسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی اس دوران اشرف اور اُس کا ساتھی مسلسل ہنستے رہے تھے۔

"حرامیو۔ تماشا کیا دیکھ رہے ہو، اِدھر آؤ۔ ذرا اس کو الٹا کرو اور اس کے ہاتھ پاؤں قابو کرو۔"

انہوں نے مجھے اوندھا کیا اور میری کہنیوں سے اُوپر اور رانوں پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اب حرکت کرنا میرے لیے بالکل ممکن نہیں تھا۔

"ہاں اب بھی بولے گا کہ نہیں؟" چوہدری نے ڈنڈا میری مقعد پر رکھتے ہوئے پوچھا اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا ڈنڈا میرے کولھوں کو پھاڑتا ہوا

Scanned with CamScanner

معدے تک جسم کے اندر داخل ہوگیا میری سانس رُک گئی ار میں اُن کے پیروں کے نیچے سے نکلنے کے لئے زور لگانے لگا۔ میرا ماتھا بار بار زمین سے ٹکرا رہا تھا۔ کوئی گرم گرم چیز ماتھے سے بہہ کر میری آنکھوں میں داخل ہونے لگی شاید میرا ماتھا پھٹ گیا تھا لیکن چوہدری ساری باتوں سے لاپرواہ اپنے کام میں لگا ہوا تھا ار میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا رہی تھی۔ پھر شاید اشرف نے یا اُس کے ساتھی نے چوہدری کو روک لیا اور میری جان بچ گئی۔

وہ تینوں مجھے چھوڑ کر کرسیوں پر جا بیٹھے اب صرف اُن کی آوازیں میرے کانوں تک آ رہی تھیں۔

"اس کو چھت سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔ کہہ دیں گے، سالا بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم نے پکڑنے کی کوشش کی تو نیچے کود گیا اور اسی میں زخمی ہوگیا۔" چوہدری نے تجویز پیش کی۔

"اور ہوش میں آ کر یہ خود جو ساری بات بتا دے گا۔" اشرف کے ساتھی نے دلیل پیش کی۔ "بتائے گا تو تب اگر زندہ بچے گا۔" چوہدری نے کہا

"کیا مطلب؟ کیا ضروری ہے کہ سالا چھت سے گرنے کے بعد مر ہی جائے۔" اُس نے پھر دلیل پیش کی۔ اُس کی آواز میں خوف کا پہلو بالکل نمایاں تھا۔

"اگر نہیں مرے گا تو میں اس کو گلا گھونٹ دوں گا۔" چوہدری بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ "اگر یہ حرامی اس حالت میں یہاں مر گیا تو ہم سب کے لئے

مصیبت کھڑی کر دے گا۔" اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مجھے مار بھی سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے مار نہیں سکتے۔ میری عجیب حالت تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے اور خوف کے مارے میری رہی سہی مزاحمت بھی ختم ہو جاتی تھی۔

میری زندگی ایک پاگل آدمی کے ہاتھ میں تھی۔ مجھے پتا تھا ان لوگوں کے ہاتھوں کئی لوگ مارے جا چکے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر بہت شور ہوتا تو ایک کہانی سنا دی جاتی پھر اخبار مطالبہ کرتے۔ ایک ٹریبونل بنایا جاتا۔ جو طویل عرصے تک کارروائی کرتا اتنے طویل عرصے تک کہ لوگ سارے قصے کو بھول جاتے اور بات آئی گئی ہو جاتی۔ لیکن میرے لیے تو اتنے تکلف کی بھی ضرورت ضروری نہیں تھی۔ میری کوئی شناخت ہی نہیں تھی۔ میرے لیے کون مطالبہ کرتا اور کیوں کرتا۔"

آخر وہ تینوں کمرے میں داخل ہوئے اور میرے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

"مکر نہ کر اب بھی موقع ہے بتا دے سب کچھ ورنہ میں تجھے جان سے مار دوں گا۔

چوہدری کو شاید پتا تھا کہ میں ہوش میں آ چکا ہوں۔ لیکن اب تو بولنا اور جواب دینا بھی میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے اُن کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں اور اُن تینوں نے مل کر مجھے اُٹھا لیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی، میری حالت ہی ایسی تھی کہ میں سوچ سکتا تھا لیکن جسم کے کسی عضو کو یہاں تک کہ زبان کو بھی حرکت نہیں دے سکتا تھا۔

برآمدہ، پھر سیڑھیاں، پھر برآمدہ اور پھر سیڑھیاں اور پھر کھلی ہوا اور آسمان

Scanned with CamScanner

اور دور کہیں ٹریفک گزرنے کی آوازیں۔ سارے راستے چوہدری مجھ سے بار بار سب کچھ بتانے کے لئے کہتا رہا اور اشرف اور اُس کا ساتھی چوہدری کا کہنا ماننے کا مشورہ دیتے رہے۔ لیکن میں اُنہیں کیا جواب دیتا۔ میرا تو گلا بند ہو چکا تھا۔ اب تو میں صرف سوچ سکتا تھا اور دیکھ سکتا تھا اور میں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں چاند تھا اور ستارے تھے اور بے پناہ خوبصورتی تھی اور تاریکی تھی۔ چھت پر جاتے ہی چوہدری نے ایک بار پھر مجھ سے سب کچھ بتانے ک ے لئے کہا اور کوئی جواب نہ پا کر مجھے نیچے اچھال دیا۔

ایک بار پھر میں اُسی کمرے میں تھا ملک، چوہدری، اشرف، اشرف کا ساتھی اور مجھے گھر سے اُٹھا کر لانے والوں میں سے دو آدمی، وہ سب مجھے گھیرے ہوئے کھڑے تھے۔ چھت سے گرائے جانے کے باوجود میں مرنے سے بچ گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ابھی میری زندگی باقی ہے اور میں اُن کے شکنجے سے نکلتے ہی ان کے خلاف کارروائی ضرور کروں گا۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ یہ خیال بالکل بے معنی ہے لیکن اس سے آپ کو یہ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ مشکل میں آدمی کتنی بے معنی اور لایعنی باتوں پر بھی اعتبار کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ مجھے اس حالت میں گھر بھی لے جا کر ڈال دیتے تو میں کسی صورت یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ یہ سب قانون کا نفاذ کرنے والوں کی کارستانی ہے اور یہ کہ مجھے قانون نافذ کرنے والے کسی ادارے نے اغوا کرنے کے بعد تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ اگر کوئی عدالت اس مقدمے کی سماعت پر آمادہ ہو جاتی اور مجھ سے ان سب باتوں کا ثبوت طلب کرتی تو ظاہر میں کسی طرح بھی کوئی ثبوت نہ دے سکتا۔

دیکھا آپ نے قانون کے نفاذ کا یہ جدید زمانہ کتنا ترقی یافتہ ہے۔ بالکل قدیم ترین، انہوں نے بڑی مہارت سے قدیم کو جدید میں تبدیل کر دیا ہے۔

ملک اور چوہدری کے علاوہ سب کے چہروں پر اطمینان تھا۔ خاص طور پر اُن لوگوں کے چہروں پر جو مجھے گھر سے اُٹھا کر لائے تھے اور اخروٹ توڑنے کے مرحلے میں شریک تھے شاید میرے عدم اعتراف نے اُنہیں اپنے سے ایک درجہ اُوپر والوں کا ہم پلہ بنا دیا تھا۔ میں باری باری اُن سب کے چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُن کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

"جو کچھ بھی ہوا اس کے ذمے دار تم خود ہو۔ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تم اس حالت کو پہنچے ہو۔ میں نے تو تم سے بڑی شرافت برتی۔ خیر تم کوئی اور بات بتاؤ یا نہ بتاؤ تمہیں سزا دلوانے کے لئے تمہاری وہ گفتگو ہی بہت ہے۔ جو تم نے دوسرے دو آدمیوں کی موجودگی میں مجھ سے کی ہے اُس گفتگو کو پوری طرح ریکارڈ کر لیا گیا ہے اور بڑی آسانی سے تم پر ملکی سالمیت کے خلاف نظریات رکھنے کا الزام ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس پر تمہیں موت کی سزا بھی ہو سکتی ہے اور اس کے دوسرے گواہ پیدا کرنا ہمارے لیے بالکل مشکل نہیں۔ اس کے علاوہ تم ملک میں چھاپہ مار جنگ کی منصوبہ بندی کر رہے تھے اور اس کے لئے تمہیں غیر ملکی امداد ملتی تھی۔

تمھارے گھر سے برآمد ہونے والی کتابیں اور دوسری تحریریں اس کے لئے بہت ہیں کہ تم لوگوں کو موجودہ حکومت کے خلاف بغاوت پر اُکسانا چاہتے تھے۔ ملک

بہت دیر تک ایک ایک لفظ چبا کر بولتا رہا۔ لیکن مجھے پتا تھا اگر ایسا کرتا اُس کے لئے ممکن ہوتا تو پھر اس سارے چکر کو چلانے اور مجھے چوہدری کے حوالے کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں یہ سوچ کر ہنس پڑا مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی، شدید ترین اذیت کے باوجود مجھے پہلی بار فتح مندی کا عجیب سا احساس ہو رہا تھا جو اذیت پر بہر طور بھاری تھا۔ تشدد کی انتہا نے میری سوچ کو بالکل تبدیل کر دیا تھا۔

""ابھی دماغ ٹھیک نہیں ہوا۔" ملک نے غصے میں کہا شاید اُسے مجھ سے مسکراہٹ کی بجائے معافی اور رحم کی بھیک مانگنے کی توقع تھی۔

"سر میرا تو خیال ہے اس کو مار ہی ڈالتے ہیں۔" چوہدری نے اپنی قمیض کے نیچے بندھا ہوا پستول کھول کر ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن ذرا احتیاط سے کریں گے۔ اس کی حالت تھوڑی بہتر ہو جائے۔ ذرا اسے یہ دوائی کھلاؤ۔" ملک نے اپنی جیب سے ایک ڈبیا نکال کر چوہدری کو پکڑاتے ہوئے کہا

"منہ کھولو۔۔۔۔" چوہدری نے ڈبیا کھول کر میرے منہ کے قریب لاتے ہوئے کہا۔۔۔۔

منہ تو پہلے ہی کُھلا ہوا تھا، میں نے اُسے مزید کھولنے کی کوشش کی۔ میرا خیال تھا کہ ملک مجھے کوئی دوائی دے رہا ہے تاکہ میری حالت کچھ بہتر ہو تو وہ پھر اپنی نام نہاد تفتیش کو شروع کر سکے لیکن ڈبیا کی دوائی منہ میں داخل ہوتے ہی میرے جسم

میں ایک قیامت برپا ہو گئی حلق سے معدے تک آگ لگ گئی میں نے بے ساختہ کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن کمزوری اور زخمی ہونے کے باعث پھر زمیں پر گر پڑا اور فرش پر اس کونے سے اُس کونے تک لوٹنے لگا۔

"سر یہ تو کمال کی چیز ہے۔ سب سے پہلے چوہدری نے خفت مٹانے کے لئے اعتراف کیا۔ باقی سب لوگ بھی بڑی پرستائش نظروں سے ملک کی طرف دیکھ رہے تھے اس طرح ملک کو اُن سب پر برتری حاصل ہو گئی تھی۔

"ہاں اب بھی کچھ بولو گے یا نہیں۔" ملک نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ظاہر ہے میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میرا ذہن بالکل خالی تھا۔

"اچھا۔۔۔۔ ابھی دماغ اُسی جگہ پر ہے۔۔۔۔ جاؤ ذرا ٹرالی لے آؤ۔" ملک نے اشرف سے کہا اور اشرف کمرے سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اُس نے ایک ٹرالی لا کر کمرے کے باہر کھڑی کر دی اُس پر دو بڑے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔

"چوہدری۔۔۔۔ ذرا مشکیں تو کس دو۔" ملک نے چوہدری سے کہا اور چوہدری نے میرے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے اور مجھے کونے سے کھینچ کر ایک بار پھر کمرے کے وسط میں کر دیا۔ اتنی دیر میں ملک ٹرالی میں سے ربر کا ایک پائپ کھینچ کر ہاتھ میں لے چکا تھا۔

"اب جب تک تم خود کچھ بتانے کے لیے نہیں کہو گے۔ ہم بھی کچھ نہیں پوچھیں گے۔" ملک نے پائپ کے آگے لگی ہوئی پیتل کی نلکی کا رُخ میری سمت کرتے ہو

Scanned with CamScanner

ئے کہا اور گرم پانی کی دھار میرے جسم پر پڑنے لگی۔ نہ جانے اس پانی میں کیا ملا ہوا تھا کہ جسم پر جہاں جہاں زخم تھے وہاں سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اوندھا ہو کر پاؤں کولھوں کی طرف موڑے تو پانی کی دھار تلووں پر گرنے لگی میں پھر سیدھا ہو گیا کیوں کہ تلووں میں ہونے والی اذیت جسم کے دوسرے حصّوں سے کہیں زائد تھی۔ اس طرح میں مسلسل اوندھا سیدھا ہونے لگا۔ کہاں تو یہ حالت تھی کہ منہ صاف کرنے کے لئے ہاتھوں کو حرکت دینے کی طاقت مجھ میں نہیں تھی اور کہاں یہ حالت ہو گئی کہ میرا جسم ہاتھوں اور پیروں کی مدد کے بغیر فرش پر خود بخود اچھلنے لگا۔

دس منٹ تک یا ممکن ہے اس سے زیادہ وقت تک پانی کی دھار پر رکھنے کے بعد وہ دھار میں چھوٹے چھوٹے وقفے دینے لگا۔ وقفے کے دوران چوہدری مسلسل پوچھتا "اب بھی بولے گا کہ نہیں واقعی یہ اذیت اور تکلیف ایسی تھی کہ میں بے ہوش ہونے کی خواہش کرنے لگا۔ پھر گرم پانی روک دیا گیا اور یخ پانی کی دھار جسم پر گرنے لگی۔ جگہ جگہ سے زخمی جسم پر گرم پانی کے بعد اچانک ٹھنڈے پانی کی دھار کیا اثر کرتی ہے اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ گرم پانی کی زد میں آئی ہوئی کھال مسلسل پھیلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے جیسے اب نہیں تو چند لمحوں بعد پھٹ جائے گی۔ سرد پانی کی زد میں کھال مسلسل سمٹتی اور سکڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ موت کی حقیقی خواہش کیا اور کیسی ہوتی ہے اس کا اندازہ دنیا میں کوئی آدمی مجھ سے بہتر نہیں کر سکتا۔

لیکن آخر کار یہ مرحلہ بھی ختم ہو گیا۔ کھردرے فرش پر مسلسل لوٹ پوٹ

ہونے کی وجہ سے میری ریڑھ کی ہڈی، پیٹھ سینہ اور بازو ہر جگہ سے خون رس رہا تھا اور ہر زخم میں ایسی جلن ہو رہی تھی جیسے اس پر نمک مل دیا گیا ہو۔

میرے ہاتھ اور پاؤں کھولنے کے بعد وہ سب ایک ایک کر کے کمرے سے رخصت ہونے لگے۔ اپنی تکلیف کی وجہ سے میں بالکل نہیں دیکھ سکا کہ ملک پر اس حربے کی ناکامی کا کیا اثر ہوا لیکن چوہدری چونکہ سب سے آخر میں گیا تھا اس لیے اُس کا رویہ مجھے اب تک یاد ہے اُس نے کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی بالٹی کے پانی سے منہ ہاتھ دھوئے پھر جیب سے رومال نکال کر انہیں خشک کیا اور دروازے کے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر گنگناتے ہوئے بال سنوارے۔ اُس کا انداز بالکل ایسا تھا۔ جیسا دفتریوں کا دفتر بند کرنے سے پہلے ہوتا ہے۔ اُسے اس حالت میں دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس نے ایک انسان کو تھوڑی دیر پہلے تک اس حالت تک پہنچانے میں کوئی حصّہ لیا ہو گا، جس میں سے میں گزر رہا تھا۔ کمرے سے باہر جانے سے پہلے اُس نے اپنی شلوار قمیض جھاڑی، کالر ٹھیک کیا اور میری طرف نظر ڈالے بغیر گنگناتا ہوا کمرے سے رخصت ہو گیا۔

میں کمرے کے وسط میں پڑا تھا اور میرے سر پر پنکھا چل رہا تھا۔ پانی کے درمیان پڑے ہوئے زخمی جسم پر پنکھے کی ہوا خود ایک عذاب لگ رہی تھی اس لیے میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کمرے کے کونے میں ہو گیا۔ ہوا تو وہاں بھی لگ رہی تھی، لیکن اس کی شدت کم ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود تھوڑی ہی دیر بعد میرا جسم کانپنے لگا اور گھگھی

بندھ گئی۔ میں گھٹنوں کو سینے تک نہوڑائے گمڑی مارے پڑا تھا اور دانت کٹکٹا رہا تھا میرا ذہن کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"اُٹھو۔۔۔۔" کسی نے میری داہنی پسلی پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا: "اب وہ لوگ جا چکے ہیں۔ میں تمہیں باہر تک پہنچا دوں گا۔۔۔۔ میرے سامنے اس اداکاری کی ضرورت نہیں۔ جلدی کرو تمہارے ساتھی تمہیں لے جانے کے لئے نیچے انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے سوچا شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں، لیکن ٹھوکر لگنے سے پسلی میں اُٹھنے والا درد خواب نہیں ہو سکتا تھا۔

"کیا کوئی جواب ملا؟" ایک اور آواز نے بڑے رازدارانہ انداز سے پوچھا۔

"نہیں لگتا ہے مرمت زوردار ہوئی ہے۔"

"وہ تو ہونی ہی تھی۔۔۔۔ یہ لوگ بھی تو دوسروں کو اندھا سمجھتے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ تو ہمارے خلاف سب کچھ کریں اور قانون ان کو آزاد چھوڑ دے اور پھر یہ کوئی سول قانون تو ہے۔۔۔۔ نہیں مارشل لا ہے۔ لیکن یار مجھے اس مارنے پیٹنے سے نفرت ہے میں تو سیدھے کام کو پسند کرتا ہوں۔ چپکے سے اُٹھا کر لاؤ اور گولی مار کر دفن کر دو۔ ہر آٹھ دس سال بعد آٹھ دس ہزار گولیاں خرچ کر کے اگر ملک میں مخالفوں کو ختم کیا جا سکتا ہو اور امن ہو سکتا ہو تو اس سارے چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

یہ واقعی خواب تھا کیونکہ اُن کی آواز مجھے دور سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

"لاؤ اسے سگریٹ پلائیں۔ ابھی پتا چل جائے گا کہ بے ہوش ہو گیا ہے یا

ڈراما کر رہا ہے۔"

اُس نے سگریٹ میرے ہونٹوں میں پھنسا دیا۔ سگریٹ شاید اختتام پر تھا کیونکہ بہت جلد اُس کی حرارت ہونٹوں کو جلاتی ہوئی محسوس ہونے لگی، لیکن میرے ہاتھ پاؤں اتنے بے جان ہو چکے تھے کہ سگریٹ کو منہ سے نکالنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ اتنی دیر سے۔" کسی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ پھر شاید اُس کی نظر میرے ہونٹوں میں پھنسے ہوئے سگریٹ پر پڑ گئی۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا میرے قریب آیا اور سگریٹ میرے ہونٹوں سے نکال دی۔ شاید ایسا کرنے میں اُس کا ہاتھ بھی جل گیا ہو۔ "مرواؤ گے تم لوگ مجھے، جاؤ اپنا کام کرو۔۔۔۔ چلو باہر نکلو۔" کمرے کے اندر بعد میں داخل ہونے والے نے غصّے سے کہا۔

"بڑے ذمے دار ہو گئے ہو۔۔۔۔ مال وال کا آسرا تو نہیں ہو گیا۔۔۔۔ جو کچھ تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا ہے اُس کے بعد اگر اس کے ہونٹ جل گئے تو کیا بگڑ جائے گا۔" وہ دونوں ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

مجھے شدید متلی ہو رہی تھی اور سردی لگ رہی تھی۔ آخر مجھے قے ہو گئی اور حلق میں مرچیں لگنے لگیں اسی دوران نہ جانے کب میرا پیشاب بھی خارج ہو گیا۔ میں ہر بات کو محسوس کر سکتا تھا لیکن کسی چیز کو روکنا یا اُس پر قابو پانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اچانک مجھے سینے میں درد محسوس ہونے لگا۔ میں نے خود کو اوپر اُٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش میں قے پر جا گرا۔ اسی دوران میں نے کسی کو چلاتے ہوئے سنا کہ

Scanned with CamScanner

ملک صاحب کو بتاؤ۔ اس کی حالت بہت بگڑ رہی ہے جلدی کرو۔

پھر کئی لوگ کمرے میں آگئے مجھے اُٹھا کر باہر لے جایا گیا۔ کسی کپڑے سے جسم پونچھا گیا اور میں نے ملک کو کپڑے پہنانے اور کہیں لے جانے کی ہدایت دیتے ہوئے سنا اور اس کے بعد اس جگہ کو میں نے پھر نہیں دیکھا۔

میں آپ کو ہر چیز ممکن حد تک پوری تفصیل سے اور جہاں تک مجھے یاد ہے پوری احتیاط سے بتا رہا ہوں تا کہ آپ کو خود اندازہ ہو جائے۔ ممکن ہے آپ کو ہر چیز انوکھی لگ رہی ہو۔۔۔ واقعی اس حقیقت کا ہر پہلو ناقابلِ بیان حد تک حیرت انگیز اور انوکھا ہے، لیکن آپ کا انہماک بتا رہا ہے کہ آپ ہر تفصیل کو غور سے سن رہے ہیں۔ شاید میرے بارے میں ان ساری باتوں سے بالکل مختلف رپورٹ دی گئی ہو، لیکن میں اپنے ساتھ گزرنے والی ہر چیز آپ کو بتا دوں گا۔ مجھے یقین ہے آپ سو نہیں رہے جیسا کہ بظاہر دکھائی دے رہا ہے۔ ہر چند کہ میں باطنیت پرست نہیں ہوں، لیکن ظاہر ہی کو سب کچھ سمجھنے پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے اسٹریچر پر کمبل میں لپٹا ہوا میرا جسم ہلکے ہلکے جھٹکے لے رہا تھا۔ اور مخصوص آواز پیدا کرتی ہوئی گاڑی پوری تیز رفتاری سے بھاگتی ہوئی اپنی مخصوص منزل کی طرف جا رہی تھی۔ وردی میں ملبوس دو سنگین بردار محافظ، میرے دائیں اور بائیں بیٹھے تھے مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے اُن میں سے ایک کی طرف دیکھ کر پانی مانگا شاید میری آواز نقاہت کی وجہ سے اُس تک نہیں پہنچی تھی لیکن

اس سے پہلے کہ کوئی جواب یا پانی مجھے ملتا ایک بار پھر مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی۔

میں دس برس کا رہا ہوں گا۔ ہمارے گھر کی درمیانی دو چھتی پر ایک کونڈا رکھا رہتا تھا۔ جسے میری ماں گھر کے جھاڑو پونچھے سے فارغ ہو کر پانی سے بھرتی اور اُس کے اردگرد باجرا ڈال دیتی تھی پہلے کوّے آئے اور پھر چڑیاں۔ وہ باجرا چنتیں اور پانی پی کر اُڑ جائیں۔ لیکن اُن میں ایک چڑیا ایسی تھی جو ہمیشہ ایک بجے کے بعد آتی اور بچا کھچا باجرہ چُن کر پانی پیتی اور پھر کونڈے میں نہا کر تھوڑی دیر تک کونڈے کے کنارے پر بیٹھ کر جسم سکھاتی اور پھر اُڑ جاتی۔۔۔۔۔ ایک دن جب میں اپنے معمول کے مطابق اسکول سے آنے کے بعد چھت کے ایک کونے پر بیٹھا اسے باجرا چنتے ہوئے دیکھ رہا تھا، سامنے کے گھر سے آنے والے ایک پتھر نے اُسے زخمی کر دیا اور وہ دو چھتی سے نیچے صحن میں آگری۔ میں فوراً چھت سے نیچے آیا اور اسے اُٹھا لیا۔ اُس کی آنکھیں مُندی ہوئی تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔۔۔۔ میں اُسے دو چھتی پر لے گیا اور چونچ کھول کر کونڈے سے اُس کی چونچ میں پانی ڈالا۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھیں کھلیں اُس نے میری طرف دیکھا اور پھر اُس کا سر ڈھلک گیا۔ جناب وہ آنکھیں اور جس طرح انہوں نے مجھے دیکھا تھا میں آج تک نہیں بھول سکا۔۔۔ پچھلے بیس برسوں میں جبکہ میری ہر چیز تبدیل ہوگئی ہے۔۔۔ اُن آنکھوں اور اُن کے دیکھنے کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں ے اکثر سوچا ہے وہ آنکھیں مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھیں، کیا کہنا چاہتی تھیں یہ تو میں آج تک نہیں جان سکا۔

Scanned with CamScanner

دکھائی نہ دیتے ہوئے زخم کا نشانہ چڑیا کا جسم میرے سامنے تھا۔ وہ اُڑنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب یہ کوشش بھی اس کے بس میں نہیں تھی۔ میں اُس تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن اب اُس تک پہنچنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ خود میرا حلق بھی خشک ہو رہا تھا تھوڑے فاصلے پر پانی تھا، اتنے فاصلے پر کہ میں اُس کے بہاؤ کی آواز سن سکتا تھا، ہر چند کہ میرے اور پانی کے درمیان فاصلہ کم تھا لیکن میں اُسے پاٹ نہیں سکتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پانی تک پہنچنے کے لیے، بہر صورت مجھے اس عبور نہ کیے جا سکنے والے فاصلے کو سر کرنا تھا۔ تاریکی کے باعث اندازے کی غلطی سے پیدا ہونے والے ہر نتیجے اور خطرے کے باوجود میں نے پانی تک رسائی کے لیے چھلانگ لگا دی۔ میرا جسم بڑی تیزی سے اندھیرے خلا میں نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ نیچے اور نیچے اور نیچے کی طرف اُس خلا میں رکنے کے لئے، کسی چیز کا سہارا لینے کے لئے میں نے پوری کوشش کی اور تیزی سے جس حد تک ممکن ہو سکتا تھا، میں نے ہاتھ پاؤں مارے لیکن مجھے کوئی چیز نہ ملی اور پتھریلی ڈھلوان پر گر کر میرا جسم تیزی سے نیچے کی طرف لڑھکنے لگا۔ وہاں بھی اُس عمودی ڈھلوان پر بھی میں نے خود کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مسلسل بڑھتی ہوئی چوٹوں اور زخموں کے باوجود میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

میں ایک بستر پر پڑا تھا، مجھے بالکل نہیں پتا کہ ڈھلوان سے اس بستر تک پہنچنے کے دوران کیا کچھ ہوا۔ اب بھی میں اپنی آنکھیں کھولنے کے قابل نہیں تھا لیکن میں خود سے بہت قریب ہونے والی اُس گفتگو کو سن سکتا تھا جو میرے زخموں ہی کے

بارے میں ہو رہی تھی۔ انھی میں سے کوئی میری نبض دیکھ رہا تھا۔ شاید اُن میں سے کسی نے مجھے ڈھلوان پر سے لڑھکتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اب وہ طبی امداد فراہم کرنے کے لئے مجھے ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا نبض دیکھتے کے بعد ڈاکٹر نے سیٹتھوسکوپ لگا کر میرے دل کی دھڑکن کو سننے کی کوشش کی۔ اس کے بعد نس کا ٹیکہ لگا یا گیا جس کے تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔

جب میری آنکھ کُھلی تو ڈاکٹر میرا معائنہ کر رہا تھا۔ اُس نے میرے جسم کے ایک ایک عضو کو ہلا جلا کر دیکھا۔ آنکھیں بند کیے میں ہر بات کو محسوس کر رہا تھا۔ جب اُس نے میری آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی تو میں نے آنکھیں خود ہی کھول دیں۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" آنکھوں کے پپوٹے اوپر نیچے کرنے کے بعد اُس نے پوچھا۔

"میں کہاں ہوں؟" اس کی بات کو جواب دینے کی بجائے میں نے سوال کیا۔

"اسپتال میں۔" دوسری سمت سے آواز آئی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا اس طرف دو سائے لہراتے ہوئے دکھائی دیے اور ایک بار پھر مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔

دوسری بار بھی میری آنکھ اس وقت کُھلی جب ڈاکٹر مجھے دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے یہ سارے زخم کس طرح آئے تھے اور میں نے انہیں ساری بات بتا دی کہ کس طرح میں نے پانی تک پہنچنے کے لیے چھلانگ لگائی اور پھر کھردری پتھریلی ڈھلوان پر گرا اور زخمی ہو گیا۔۔۔۔ لیکن جب میں انہیں یہ سب کچھ بتا رہا تھا تو وہ ہنسنے لگے اور اُن میں سے ایک نے تو یہاں تک کہا کہ میرے زخم تو یا ایسے نہیں لگتے

جواس طرح گرنے سے آسکتے ہیں۔ میں یقین دلانے کی پوری کوشش کر رہا تھا، لیکن جوں جوں میرا اصرار بڑھ رہا تھا اُن کی ہنسی بڑھ رہی تھی۔

"آپ یہ ساری بات اُن سے کیوں نہیں پوچھتے جن لوگوں نے مجھے یہاں تک پہنچایا اور میری مدد کی۔ انہوں نے ضرور مجھے اُوپر سے نیچے لڑھکتے ہوئے یا لڑھک کر نیچے پہنچنے کے بعد دیکھا ہوگا۔ میں تو بے ہوش ہو گیا تھا اس لیے میں اُنہیں نہیں دیکھ سکا۔ میں نے اصرار کیا۔

"لیکن تمہیں لانے والے کہہ رہے تھے کہ تم نے اُن کی مدد قبول نہیں کی۔

"اُن میں سے ایک ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں کیسے انکار کر سکتا تھا میں تو ہوش ہی میں نہیں تھا۔ اگر میں انکار کر دیتا تو وہ مجھے یہاں تک لاتے ہی کیوں؟" میری آواز خود میرے لیے بھی اجنبی تھی۔ ایک رحم طلب اور منت کش آدمی کا تقریباً پُر وثوق اصرار۔۔۔ لیکن ڈاکٹروں کے لہجے میں بے یقینی کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھا، جسے میں فوری طور پر کوئی نام نہیں دے سکا۔

"کیا آپ اُن لوگوں سے میری ملاقات کروا سکتے ہیں جو مجھے یہاں تک لائے ہیں۔"

میں نے ڈاکٹروں سے پوچھا۔

"فی الوقت تو ممکن نہیں لیکن اگر تمہیں کوئی مدد چاہیے تو وہ ہم بھی دے سکتے ہیں۔" مدد کا لفظ قدرے زور دے کر ادا کیا گیا تھا۔

"آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ آپ میرا علاج تو کر رہے ہیں۔ ایک مریض کے لیے اتنا ہی بہت ہے۔۔۔۔ مجھے پورے جسم میں، خاص طور پر پاؤں میں درد اور پورے جسم میں نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بھئی یہ اسپتال ایک دور دراز علاقے میں ہے۔ تم اگر اپنے کسی دوست یا عزیز کو کوئی اطلاع بھجوانا چاہو تو ہم تمھاری مدد کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور بات یہ ہے کہ یہ دماغی امراض کا اسپتال ہے۔ یہاں ہمارے سوا تمہاری بات کوئی نہیں سنے گا۔" اُن میں سے ایک ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"دماغی امراض کا اسپتال۔" نے بڑی آہستگی سے دہرایا۔

"ہاں۔۔۔ دراصل تمہیں لانے والے بھی تمھارے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھے کہ تم یہاں سے بھاگے ہوئے کوئی مریض ہو، کیون کہ عام طور اس علاقے میں دوسرے لوگ نہیں آتے۔ اگر کوئی اتفاقاً یہاں سے نکل بھی جائے تو وہ لوگ اُسے پکڑ کر واپس لے آتے ہیں۔" ڈاکٹر بڑے ڈرامائی انداز میں مجھے ساری تفصیل بتا رہا تھا۔

"لیکن ڈاکٹر۔۔۔۔ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ بس وہ تاریک رات تھی، اور میں میں شدید پیاس محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں نے پانی کو چمکتے ہوئے دیکھا اور بہتے ہوئے سنا، لیکن پانی میری رسائی سے باہر تھا میں نے اُس تک پہنچنے کے لیے چھلانگ لگا دی۔ میں وہاں کیسے پہنچا۔ کیسے اس سے پہلے وہ جگہ میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ میں

وہاں کیسے پہنچا ڈاکٹر میرے سر میں درد ہو رہا ہے شاید مجھے چکر آ رہے ہیں۔ ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ ہر چیز۔" اس کے بعد شاید میری آواز رُندھ گئی اور میں نے گھومتی ہوئی چیزوں سے بچنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ اندھیرا۔۔۔ میرے چاروں طرف پھیلا ہوا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔

میری آنکھ کھلی تو چمکدار روشنی کمرے کے اندر آ رہی تھی۔ شاید میں بہت دیر سوتا رہا تھا، اس لیے خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں ے اپنے جسم پر سے چادر ہٹائی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن زیادہ دیر تک بیٹھنا ممکن نہیں تھا ریڑھ کی ہڈی اور کمر میں ہونے والا درد بیٹھنے سے اور بڑھ رہا تھا۔ میں پھر لیٹ گیا جسم کا کوئی حصّہ ایسا نہیں تھا جس میں درد نہ ہو رہا ہو۔ سب سے زیادہ تکلیف تلووں میں ہو رہی تھی۔ میں نے ٹانگوں کو موڑ کر تلووں کو دیکھا لیکن اُن پر بندھی ہوئی پٹیوں کی وجہ سے تلووں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں سوچنے لگا مجھے کیا ہوا تھا میں وہاں کس طرح پہنچا۔

" کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ تینوں ڈاکٹر کس وقت کمرے میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اُن تینوں نے ڈاکٹروں جیسے سفید گاؤن پہن رکھے تھے۔

" کچھ نہیں۔۔۔۔ یہی کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا اور میں یہاں کس طرح پہنچا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔۔ ڈاکٹر مجھے اس اسپتال میں کتنے دن ہو گئے ہیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹروں سے پوچھا۔

"بارہ دن۔۔۔۔ زیادہ تر وقت تم نے سوتے ہوئے اور بے ہوشی میں گزارا ہے۔" ان میں سے ایک ڈاکٹر نے کہا۔

"بارہ دن۔۔۔۔ مجھے بالکل محسوس نہیں ہوا۔" ایسا لگتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہو۔ مجھے یہاں کس وقت لایا گیا تھا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"دوپہر کے وقت۔" اُن میں سے ایک ڈاکٹر نے بتایا۔

"دوپہر کے وقت۔۔۔۔ اور انہوں نے بتایا تھا کہ تم ادیب اور شاعر ہو کسی اخبار میں کام کرتے ہو اور تمہیں اس کے علاوہ کسی انڈر گراؤنڈ اخبار کے لئے کام کرنے اور تخریب کارانہ سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے تم پر تشدد کیا اور جب تمہاری حالت خراب ہوگئی تو وہ تمہیں یہاں لے آئے اس نے بتایا کہ تم نے کسی بات کا اعتراف نہیں کیا۔"

اخبار۔۔۔ زیرِ زمیں اخبار، تخریب کارانہ سرگرمیاں ، گرفتاری، تشدد۔۔۔۔ تشدد اور پھر حالت کی خرابی۔۔۔۔ آہستہ آہستہ مجھے ہر چیز یاد آنے لگی۔ ہر بات یہاں تک ویگن کے اندر دو مسلح محافظوں کی نگرانی میں سفر، پیاس اور پھر خواب ،خواب۔۔۔۔ تو وہ میرا خواب تھا کتنا طاقتور خواب تھا۔ ساری حقیقت کی کایا کلپ کر گیا۔ میں ہر بات کو سوچ رہا تھا

"ہاں ڈاکٹر آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے گرفتار کیا گیا تھا، لیکن یہ مجھے اب پتا چلا کہ مجھے گرفتار کیوں کیا گیا تھا۔ مگر اُسے گرفتاری کہنا غلط ہے، انہوں نے مجھے

Scanned with CamScanner

زبردستی اغوا کیا تھا۔ گرفتاری میں تو بتایا جاتا ہے کہ گرفتاری کی وجہ کیا ہے۔ پھر مجھ پر تشدد کیا گیا۔ بلا وجہ تشدد، حالانکہ میں نے اُنہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ سب کچھ کہ میں ایک ادیب اور شاعر ہوں، ایک لاتعلق شہری ہوں اور ایک اخبار میں کام کرتا ہوں اور مجھے اخباروں میں کام کرتے ہوئے، ایک دو نہیں دس سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، اس کے باوجود اُن کا تشدد جاری رہا۔ حالانکہ کسی بھی اخبار میں کام کرنے کا مطلب جسم فروشی سے مختلف نہیں بلکہ جسم فروشی سے بھی بدتر ہے، کیونکہ جسم فروش کرنے والیاں تو کبھی اس بات پر فخر نہیں کرتیں کہ وہ جسم فروش ہیں، لیکن ہم لوگ اخبار میں کام کرنے والے وہ لوگ جو صحافی کہلاتے ہیں، اس پر فخر بھی کرتے ہیں اور اس میدان میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی پوری کوشش بھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اخبار کی ملازمت میں ہماری صلاحیت کا؛ معیار اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ ہم اخبار میں شائع ہونے والے ایک ایک لفظ کو، اپنے مالک کی رضا اور دور اندیشی کا آئینہ بنا دیں اور یہ رضا کوشی دور اندیشی کیا ہوتی ہے؟ کسی بھی قیمت پر سرکاری اشتہار بند نہ ہوں اور اگر بند ہوں تو صرف اس حد تک اور اتنے عرصے کے لیے کہ اخبار کے پڑھنے والے، اخباروں کے آزاد ہونے کے دھوکے میں آجائیں۔ گویا ہر چیز طے شدہ ہوتی ہے، مخالفت بھی اور موافقت بھی ہماری حیثیت تو ایک فرمانبردار خاتم کی ہوتی ہے لیکن لوگ اس پر یقین نہیں کرتے، وہ ہمیں ذمے دار سمجھتے ہیں، ہر بات کے لئے وہ کبھی پرنٹنگ مشین، ٹیلی پرنٹر اور ٹیلی فون کو گالی نہیں دیتے، لیکن ہمیں دیتے ہیں

حالانکہ ہمارا کام اُن میں سے کسی سے مختلف نہیں ہوتا"

"لیکن وہ تو کہتے تھے کہ تم کسی زیرزمین اخبار کے لیے کام کرتے ہو۔" اُن میں سے ایک ڈاکٹر سوال کر رہا تھا جبکہ دوسرے دونوں کھڑکیوں سے لگے کھڑے تھے اور اُن کی آنکھیں مجھ پر اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے وہ میری گفتگو بڑے غور سے سن رہے ہیں۔

"نہیں، انہیں غلط فہمی تھی۔"

"کیا تم نے ایسے اخبار کو تقسیم بھی نہیں کیا۔"

"نہیں۔"

"لیکن تم نے ایسا اخبار دیکھا تو ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُن کی اطلاعات بالکل غلط ہوں آخر اُن کا اتنا بڑا ادارہ ہے، انہوں نے دوسرے اداروں میں اطلاعات دینے والے لو گ بھی رکھے ہوں گے، بلکہ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ ہر جگہ اُن کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"سنا تو میں نے بھی ہے لیکن میں نے واقعی ایسا کوئی اخبار نہیں دیکھا۔ ہاں یونیورسٹی کے زمانے میں میں نے ایک لڑکے کے پاس ایسا اخبار دیکھا تھا لیکن اب تو مجھے اُس کا نام بھی یاد نہیں۔"

"کیا تم نے اُنہیں اس بارے میں بتایا تھا؟"

"انہوں نے مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا ہی نہیں۔"

"تم نے حکومت کے خلاف تو ضرور کچھ لکھا ہوگا۔"

کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ میں تو ادیب اور شاعر ہوں میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے۔"

Scanned with CamScanner

"لیکن فوج ملک پر زبردستی حکمران ہے، تم نے اس بارے میں تو ضرور سوچا ہوگا۔"

"ہاں کبھی کبھی، جب کوئی اس طرح کی گفتگو چھیڑ دیتا ہے تو ظاہر ہے میں بھی انسان ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا ہے نا۔۔۔۔ یہ میرا کام نہیں، یہ سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں کا کام ہے۔

"لیکن بھئی ہم نے تو سنا ہے کہ سوچنا وغیرہ دانشوروں کا کام ہے کیا تم ادیبوں اور شاعروں کو دانشور نہیں سمجھتے؟ کھڑکی کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک ڈاکٹر نے پوچھا۔

" کیوں نہیں سمجھتا، ضرور سمجھتا ہوں، ضرور سمجھتا ہوں۔ خود میں نے کئی ایسی باتیں سوچی ہیں لیکن انہیں کبھی لکھا نہیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ انہیں لکھنا غیر تخلیقی کارروائی سمجھا جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ لاتعلق زندگی کے سکون نے مجھے ایسی باتیں کہنے اور لکھنے سے روک دیا حالانکہ میں نے خود کو دوہرا نقصان پہنچایا۔ ایک تو کوئی ایسی چیز نہیں لکھی جو مجھے مقبول بنا سکتی اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں لکھی جس میں پوری طرح اپنا اظہار کیا ہو۔ گویا میں خود کو نہ مدح سرا بنا سکا اور نہ مخالف۔"

"یار تم باتیں مزے دار کرتے ہو۔" اُن میں سے ایک ڈاکٹر نے جواَب تک خاموش تھا، مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا کوئی مدح سرا بھی ہے، مدح سرا کون کون ہے؟"

"وہ سب ادیب اور دانشور جنہیں، ریڈیو اور ٹی وی پر یا اکیڈمی آف لیٹرز میں بلایا جاتا ہے، سرکاری اعزاز اور وظیفے دیے جاتے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو نہیں بلایا جاتا وہ اپنی بات کرتے ہیں؟"

"نہیں سب ایسے نہیں ہوتے، لیکن یہ لوگ نہ بلائے جانے والوں ہی میں شامل ہوتے ہیں۔"

"لیکن جو ریڈیو اور ٹی وی پر آتے ہیں وہ بھی تو اپنی ہی بات کرتے ہیں۔"

"ہاں لیکن ایسی بات جس سے اُن کے مفادات کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ یہ سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں کا کام ہے، لیکن وہ تو ادیب، شاعر اور دانشور وغیرہ ہیں۔"

"ہاں، یہ سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں کا کام ہے، لیکن ان کا بھی تو کچھ کام ہے، اُن کی بھی تو کچھ ذمے داری ہے۔ آخر وہ اس معاشرے کا ضمیر ہیں؟"

"اس طرح تو تم بھی اس معاشرے کا ضمیر ہو، یہ تمہاری بھی ذمے داری ہے، تم نے اب تک کیا کیا ہے؟"

"میں۔۔۔۔ ہاں میں۔۔۔۔۔ میں شاید اس معاشرے کا مُردہ ضمیر ہوں میں نے اب تک کچھ نہیں کیا میں خود کو محبت کا شاعر بنانا چاہتا تھا، لیکن کوئی چیز مجھے مجھ سے باہر نہیں کھینچ سکی۔ میں کسی چیز کو نہیں دیکھ سکا۔ میں اندھا ہو گیا تھا ایک اندھے آدمی کی طرح میں سب کچھ اپنے اندر ہی ڈھونڈتا رہا اور اندھا اندر ڈھونڈے یا باہر کیا پا سکتا ہے میں سچ بولنا چاہتا تھا۔ لیکن خود کو بنانے کی خواہش نے مجھے تقسیم کر دیا، مجھے مردہ بنا دیا نہ تو میں خود کو بنا سکا اور نہ ہی سچ بول سکا۔۔۔۔ میں صرف خواب دیکھتا رہا

Scanned with CamScanner

ساری کو، دنیا کی ہر چیز کو ایک لمحے میں تبدیل کرنے کا خواب اور اس دوران مجھے ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ پہلے مجھے خود کو تبدیل کرنا چاہیے۔"

"لیکن کیوں۔۔۔۔اس دنیا اور اس کی چیزوں میں کیا خرابی ہے؟"

" کیوں ڈاکٹر۔۔۔۔کیا آپ کو اس دنیا میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی یہاں لوگوں کو بلا وجہ گرفتار کر لیا جاتا ہے، اُن پر بے پناہ تشدد کیا جاتا ہے، ہر چیز چیخ رہی ہے، ہر دیوار پر لکھا ہے، طاقت۔۔۔۔طاقت اور صرف طاقت، ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبار، رسالے اور کتابیں۔۔۔۔۔ایک ایک لفظ کے پیچھے طاقت کی گھورتی ہوئی آنکھیں لوگوں کی نگرانی کر رہی ہیں۔ طاقت کے ذریعے گدھوں کو گھوڑا منوایا جا رہا ہے، حالانکہ تمام تر مماثلت کے باوجود گدھا گھوڑا نہیں بن سکتا ہمارے ہاں ہی نہیں، دنیا کے کئی ملک ہیں جہاں فوج نے حکومتوں پر قبضہ کر لیا ہے کیسے کیا ہے "طاقت کے ذریعے، پہلے کہیں مارشل لاء لگتا تھا تو ساری دنیا میں شور مچ جاتا تھا لیکن اب مارشل لاء معمول بن گیا ہے کوئی نوٹس ہی نہیں لیتا۔

"فوج کے حکومت کرنے سے کیا فرق پڑ جاتا ہے؟"

"فوج کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔۔۔۔یہ اُن کا حق نہیں۔"

" کیوں کیا فوج کا اپنے ملک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ اپنے ملک کو تباہ ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتی ہے وہی کیسے دیکھ سکتی ہے کہ بدعنوانی بڑھتی رہے، شہریوں کو ہلاک کرنے کی سازش ہوتی رہے، تعصب اور نفرت کو ہوا دی جاتی رہے

لوگوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کے منصوبے بنائے جاتے رہیں۔

"فوج کا کام داخلی اُمور میں مداخلت نہیں، سرحدوں کی حفاظت ہے میں ایک مثال دیتا ہوں، فرض کریں آپ کا اپنی بیوی یا اپنے گھر کے دوسرے لوگوں سے کوئی تنازعہ ہو جائے اور بات لڑائی تک پہنچ جائے کیا آپ کسی دوسرے کو، وہ نگراں ہی کیوں نہ ہو، وہ آپ کے گھر کا محافظ ہی کیوں نہ ہو، یہ حق دیں گے کہ وہ آپ کے فرائض سنبھال لے؟ حفاظت کے نام پر آپ کو گھر کے ایک حصّے تک محدود کر دے یا آپ کو گھر سے نکال دے اور کہے تم نا اہل ہو، تم اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکام رہے، اس لیے اب میں مجبوراً اپنی ذمے داریاں بڑھا لیتا ہوں، تم چھٹی کرو۔ جب مناسب وقت ہوگا تمہیں بلا لیا جائے گا۔۔۔۔اور عدالت اُسے ضرورت کے نظریے کے تحت۔۔۔۔ایسا کرنے کی اجازت دے دے۔۔۔۔۔اگر ایسا ہو تو آپ کیا کریں گے؟"

"لڑوں گا۔۔۔۔۔۔ہر صورت میں" ڈاکٹر نے تھوڑی دیر سوچ کر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔"

"تو ممکن ہے کچھ لوگ آپ کی طرح سوچتے ہوں اور اپنے وطن اور قوم سے اسی طرح محبت کرتے ہوں، جس طرح آپ اپنے گھر سے کرتے ہیں۔"

" یہ کون لوگ ہیں۔۔۔۔۔۔ کیا تم ایسے کسی آدمی کو جانتے ہو جو میری طرح سوچتا ہو۔

" پہلا تو میں ہی ہوں۔ "میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

"میں نے اب تک انقلابیوں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اور اندر ہی اندر میں ہمیشہ ایسے لوگوں سے ملنے کی تمنا کرتا رہا لیکن آج تک مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا۔ تم پہلے آدمی ہو، جس کی باتوں سے میری امید بندھی ہے کہ ایسے لوگوں سے مل سکوں گا تم ضرور اُن میں سے کسی کو جانتے ہو گے۔"

ڈاکٹر نے بڑے جذباتی انداز سے کہا

"سوری ڈاکٹر ـــــ اوّل تو میں انقلابی نہیں اور دوسرے میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا

"تم تو اخبار میں کام کرتے ہو اور اخبار میں کام کرنے والے لوگ ہر قسم کے لوگوں کو جانتے ہیں لیکن اس کی کوئی جلدی نہیں۔ بعد میں سوچنا، تمہارے جاننے والوں میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہوگا، جو میرے لیے اُن تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکے ویسے بھی آج ہم نے بڑی لمبی گفتگو کی ہے تم ضرور تھک گئے ہو گے لیکن میں تمہاری باتوں سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

اس کے بعد اُس نے میرا معائنہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلا گیا۔

اُس دن سے مجھے کھانا اور کھانے کے ساتھ سگریٹ وغیرہ بھی دیے جانے لگے۔

کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں میں موٹے لوہے کے سریوں کی جالیاں لگی ہوئی تھیں بظاہر وہ کسی جیل خانے ہی کا کمرا دکھائی دیتا تھا لیکن ڈاکٹر مجھے بتا چکا تھا کہ یہ ذہنی امراض کا اسپتال ہے، اس لیے بہت ممکن تھا کہ مریضوں کو ایک دوسرے سے

بچانے کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہو۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں اُن کے رویے کے بارے میں سوچتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ اُن کا رویّہ بہت اچھا تھا۔ پھر میں اُس خواب کے بارے میں سوچنے لگا جس نے مجھے ایک نئے اور حیرت انگیز تجربے سے دوچار کیا۔ عام حالات میں اگر کوئی مجھے یہ بتاتا کہ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ لیکن اب تو میں خود اس سے گزر چکا تھا۔ میں نے اُس تشدد خانے کے بارے میں اُن لوگوں کے بارے میں بھی سوچا، جن کی وجہ سے میں یہاں تک پہنچا تھا۔ میں اُن کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا، میں نے ان ڈاکٹروں کے ذریعے اپنے دفتر کے لوگوں تک رسائی حاصل کرنے کے بارے میں بھی سوچا۔ بہت ممکن تھا کہ اُن میں سے کوئی میری مدد کرتا۔ لیکن میں کسے بلاؤں گا۔ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس پر اس قدر اعتماد کیا جا سکتا۔ اُن کی جگہ اگر میں ہوتا اور مجھے اس طرح کی اطلاع ملتی تو میں کیا کرتا میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ ظاہر ہے کچھ بھی نہیں میں کبھی بھی اپنی مصروفیات میں سے فرصت نہ نکال سکتا اس کے بعد لے دے کر یونین آف جرنلسٹس تھی، جو کچھ کرسکتی تھی، لیکن وہ پہلے ہی سرکاری عتاب کا شکار تھی۔ اس کے علاوہ کوئی ادارہ ایسا نہیں تھا جس سے مدد مانگی جا سکے میں صحافیوں کی اس تنظیم کا رکن تھا، لیکن ایک ایسا رکن جسے اپنی تنظیم کے صدر اور سیکریٹری تک کے بارے میں معلوم نہ ہو، جو اس کا سالانہ چندہ تک بروقت ادا نہ کرتا ہو، وہ کس بناء پر یہ توقع کرسکتا ہے کہ اُس کی مدد کی جائے گی۔ کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو ان حالات میں میری مدد

Scanned with CamScanner

کر سکتا، میں خود کو کوستا رہا ادیبوں اور شاعروں سے میرے تعلقات اس مقصد کے لئے قطعی بے مصرف تھے اوّل تو ادیبوں اور شاعروں کی اکثریت ڈرپوک ہوتی ہے اور جو ڈرپوک نہیں ہوتے وہ بھلا خود کو ایسی مصیبت میں کیوں ڈالیں گے جس کے نتیجے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ سارا دن اور ساری رات اسی سوچ میں ہی گزر گئے، لیکن میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکا۔

دوسری صبح ڈاکٹر پھر میرے کمرے میں تھے۔ میری حالت آج بہت بہتر تھی۔ صبح میں خود اُٹھ کر باتھ روم گیا تھا اور وہاں تک آنے جانے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

" کیا حال ہے؟ ڈاکٹر نے میری نبض وغیرہ دیکھتے ہوئے-------- معمول کے مطابق طبیعت کا پوچھا، حالانکہ یہ بات مریض کو ڈاکٹر سے پوچھنی چاہیے کہ اب میرا کیا حال ہے۔

" ٹھیک ہوں۔ پہلے سے قدرے بہتر" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ '' یار تم دوسرے مریضوں کو دیکھ لو:" اس ڈاکٹر نے کہا جس نے میرا چیک اَپ کیا تھا اور وہ دونوں مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد ڈاکٹر میرے بستر ہی پر ایک طرف بیٹھ گیا اور بڑی آہستگی سے کہنا شروع کیا۔

" کل رات میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے تم بڑی مشکل میں ہو۔ میں تمہیں پوری تفصیل تو نہیں بتا سکتا لیکن میں تمھاری تھوڑی بہت مدد ضرور کر سکتا

ہوں۔ مثلاً یہ کہ اگر تم کسی تک اپنا کوئی پیغام پہنچانا چاہو تو میں کوشش کروں گا کہ وہ پیغام اُس تک پہنچا دوں۔ "

" ہاں ڈاکٹر میں نے بھی کل آپ لوگوں کے جانے کے بعد سے مسلسل اس بارے میں بہت سوچا لیکن میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ڈھونڈ سکا جو اِن حالات میں میری مدد کر سکے۔ میں صحافی ہوں لیکن کوئی صحافی ایسا نہیں جو میری مدد کر سکے میں خود کو ادیب اور شاعر سمجھتا رہا لیکن ایک بھی ادیب اور شاعر ایسا نہیں جو میرے لیے اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنے پر تیار ہو۔ ہر چند کہ مجھ سے سیاسی قیدیوں جیسا سلوک کیا گیا ہے، بلکہ اُن سے بھی بدتر، لیکن میری کوئی سیاسی شناخت بھی نہیں میں کسی سیاسی جماعت کا رُکن بھی نہیں، اس لیے کوئی میرے لیے کیوں بولے گا میں اپنے آپ سے پوچھتا رہا ہوں۔ میں نے کیسی زندگی گزاری ہے، میں اب تک کہاں رہا ہوں، کوئی بھی ایسا نہیں جسے میں اپنا کہہ سکوں یا وہ مجھے اپنا سمجھ سکے میں فوج سے نفرت نہیں کرتا، لیکن مجھے فوج کا اقتدار میں رہنا پسند نہیں یہ کیسا ملک ہے ڈاکٹر، کوئی عدالت میری مدد نہیں کر سکتی۔ ایک معمولی فوجی عدالت کسی بھی مقدمے کو مشکل کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں سارا قصور میرا ہے۔ میں جو ہر بات سے لاتعلق رہا ہوں۔ اب آپ بتائیں میں کیا کروں کس کے پاس جاؤں کس کو بلاؤں آپ کا کیا خیال ہے اس لاتعلقی کا مطلب کیا ہے مطلب صاف ہے، اگر میں دوسروں سے لاتعلق ہوں تو دوسرے بھی مجھ سے لاتعلق ہیں، گو یا ہر آدمی ایک دوسرے سے کٹا ہوا ہے

Scanned with CamScanner

۔۔۔۔۔اس صورت میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔جس کے پاس طاقت ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہی ہو رہا ہے، یہ سزا مجھے ضرور ملنی چاہیے تھی۔ یہ سزا ہر لاتعلق آدمی کو ملنی چاہیے۔" میں بہت دیر تک بولتا رہا ڈاکٹر بڑی خاموشی سے سنتا رہا اور اُس کے بعد چلا گیا تاہم اُس نے جاتے ہوئے یہ ضرور کہا" بہر صورت میں تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

دوسرے دن مجھے اس کمرے سے نکال کر ایک اور کمرے میں لے جایا گیا۔ اسٹریچر لانے والے وارڈ بوائے کے مطابق وہ بڑے ڈاکٹر صاحب کا کمرا تھا۔ کمرے میں لے جا کر وارڈ بوائے نے مجھے چمڑے کے بستر پر لٹا دیا اور کمرے سے واپس چلا گیا اُس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد کمرے میں تین آدمی داخل ہوئے۔ اُن تینوں نے ہلکے رنگوں کے سفاری سوٹ پہن رکھے تھے لیکن اُن میں سے ایک نے سفاری سوٹ کے اُوپر سفید کوٹ بھی پہن رکھا تھا۔

"ہاں بھئی---------اب طبیعت کیسی ہے؟" درمیانے قد کے ورزشی جسم والے شخص نے جو ڈاکٹروں جیسے سفید کوٹ میں ملبوس تھا۔ مجھ سے پوچھا شاید وہی بڑا ڈاکٹر تھا۔

جی ٹھیک ہوں" میں نے جواب دیا۔اُس ڈاکٹر کی آواز اور شخصیت میں کوئی ایسی بات تھی جس سے میں مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"سنو میاں------ کسی چکر میں ڈالنے اور پڑنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ

ساری بات صاف صاف بتا دو۔ اس احمقانہ سلسلے کو دُہرانے کی ضرورت نہیں جو تم پچھلے چھ دن سے ہمیں سُنا رہے ہو۔ میں اُن میں سے کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا اور نہ ہی میں اُنہیں سننے کے لیے تیار ہوں۔ یہ وقت کو ضائع کرنے کا قائل نہیں یوں بھی تم پر پہلے ہی بہت وقت ضائع ہو چکا ہے بڑے ڈاکٹر کی آواز میں وسیع تر اختیارات سے پیدا ہونے والی قطعیت نمایاں تھی مجھے تڑپانے کے لئے اُس کا ایک ہی جملہ بہت تھا، جو یہ ثابت کرتا تھا کہ اس اسپتال میں لانے کے بعد میں جو گفتگو کرتا رہا ہوں اُسے اُس کا پورا پورا علم تھا اور پھر یہ کہ جہاں میں تھا وہ کوئی اسپتال نہیں تھا بلکہ اُسی ادارے کا ایک حصہ تھا۔ جہاں سے مجھے یہاں لایا گیا تھا یعنی ایک نیا تفتیشی مرکز۔

"دیکھیے ڈاکٹر صاحب میں نے ڈاکٹر پر اپنی صورت حال واضح کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے کہ میرا جملہ مکمل ہوتا ڈاکٹر ایک بار پھر بول پڑا۔

"نہیں کوئی تشریح نہیں، صرف سچ تم مجھے نہیں جانتے اور نہ ہی اس مشین کو جانتے ہو گے میں ڈاکٹر آف ٹرتھ ہوں، میرا کام بہر صورت سچائی حاصل کرنا ہے اور یہ مشین اس کام میں میری مدد کرتی ہے، لیکن اس مشین کو استعمال کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر اس مشین کو ذرا سی آزادی دے دی جائے تو یہ بہت کچھ کر سکتی ہے مثلاً جو کچھ تم چھپانے کی کوشش کر رہے ہو یہ اُس کو ہمیشہ کے لیے تمھارے ذہن سے نکال سکتی ہے---- بظاہر یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم اُن سب باتوں کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ---- لیکن یہ بات تمہارے لیے بہت نقصان دہ بھی ہو سکتی

Scanned with CamScanner

ہے، کیونکہ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ تم اپنے آپ کو بھی بھول جاؤ گے۔یعنی وہ سارا وقت بھی جو تم نے پیدا ہونے کے بعد سے اب تک گزارا ہے۔اس لیے اس کا موقع نہ آئے تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

"ایک منٹ ------ ڈاکٹر آپ میری بات بھی سنیں گے یا نہیں" میں نے ڈاکٹر کی بات کاٹ کر کہا۔

"لیس ------ کہو"

"آپ کو میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو نہیں میں نے غلط کہا اُن لوگوں کو جنھوں نے مجھے گرفتار کیا ہے، انہیں سراسر غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے انہیں یہ بات سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے کہ میرا کسی تنظیم سے، میرا مطلب ہے۔کسی ایسی تنظیم سے جو ملک میں رائج موجودہ قانون کے اعتبار سے غیر قانونی سرگرمیوں میں مصروف ہو کوئی تعلق نہیں ------ میرا کوئی پروگرام ایسا نہیں جس سے آپ لوگوں کو دلچسپی ہو سکتی ہو۔اس لیے میرا کوئی ساتھی نہیں، نہ ہی کوئی ایسا دوست ہے جس کا نام آپ کے لیے یا مجھے گرفتار کرنے والے ادارے کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہو۔اس کے علاوہ میں اپنے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔آپ چاہیں تو اس پر یقین کر لیں چاہیں نہ کریں، جو آپ کا دل چاہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن تم ابھی کل کے بچے ہو۔میرے سامنے بڑے بڑوں کی زبان کھل گئی ہے۔تم مجھے یہ سمجھا رہے ہو کہ اُن سے اُن لوگوں سے جو اس پورے نظام

کو چلا رہے ہیں اور چلاتے آئے ہیں، غلطی سرزد ہوئی ہے؟ ان لوگوں سے، جو محب وطن ہیں، ایک غدار کے سلسلے میں غلط فہمی ہوئی ہے یعنی یہ پورا نظام چلانے والے احمق ہیں اور تم ذہین ہو گویا تمھارے بارے میں اکثریت ذہین اور تجربہ کار لوگوں کی اکثریت کا فیصلہ اور اطلاعات غلط ہیں پھر ان لوگوں کو جن لوگوں نے رکھا ہے وہ غلط ہیں اور اُن لوگوں کو جن لوگوں نے رکھا ہے وہ بھی غلط ہیں اور میں اس نظام کے پورے تسلسل میں تم پہلے درست آدمی پیدا ہوئے ہو اور مجھے تمہاری اس بات پر ایمان لانا چاہیے، لڑکے اگر میری عمر پچاس سے آگے نہ بڑھ چکی ہوتی تو میں ضرور تمہیں اپنا گرو مان لیتا لیکن تم نے اس سچائی کو منکشف کرنے میں ذرا دیر کر دی، اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔" اس گفتگو کے ساتھ ساتھ اُس نے میری نبض دیکھی، دل کی دھڑکن چیک کی اور بلڈ پریشر لیا۔"ڈاکٹر ہر چیز نارمل ہے۔" اُس نے میز کی دوسری طرف کھڑے ہوئے شخص سے کہا اور ڈاکٹر نے میرے ہاتھ اور پاؤں ذرا سے پھیلا کر چمڑے کی دو انچ چوڑی پٹیوں میں کس دیے۔اُسی شخص نے جسے بڑا ڈاکٹر بتایا گیا تھا ایک بار پھر بولنا شروع کیا۔"اس سے پہلے کہ تم اس مشین کے تجربے سے گزرو، میں تمہیں اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا دوں، میں تو تمہیں اس بارے میں پہلے ہی بتا دیتا لیکن خود تم نے بات کاٹ کر دیر کا جواز پیدا کر دیا۔تم تو بہت کچھ چھپا رہے ہو لیکن میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔اس مشین کے ذریعے تمہیں بجلی کے جھٹکے دیے جائیں گے۔یعنی کرنٹ تمہارے جسم میں گزرے گا۔گزرے گا نہیں، بلکہ چکر کاٹے

Scanned with CamScanner

گا، کنپٹیوں سے داخل ہوگا اور پاؤں کے تلوؤں تک جانے کے بعد گھوم کر واپس آئے گا۔ لہو کے ساتھ ساتھ گھومتی ہوئی یہ برقی رو تمھارے جسم کے اندر چھپی ہوئی سچائیوں کو تلاش کرنے اور اُنہیں تمہاری زبان تک لانے میں تمھاری مدد کرے گی اور اگر تم نے پھر بھی اس سچائی کو اپنی زبان سے ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا کی تو یہ ناراض ہو جائے گی اور تمھارے جسم کو نقصان پہنچانا شروع کر دے گی، جس کے بارے میں میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اب ہر بات کا انحصار تم پر ہے۔ میں نے ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دینے کی معمولی سی کوشش کی لیکن ایسا کرنا قطعی ناممکن تھا۔

کیا خیال ہے، تلاش شروع کی جائے یا تم خود ہی سب کچھ؟۔۔۔ تمہیں ایک منٹ کا وقت اور دے سکتا ہوں، سوچ لو، فیصلہ کرلو، برقی رو کا جسم میں چکرانا------ ایک ایسا تجربہ ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تم ضرور سوچو گے کہ جب کسی آدمی کو بجلی کا جھٹکا لگتا ہے تو وہ تار کے ساتھ چپک جاتا ہے اور دو سے پانچ منٹ کے درمیان اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، لیکن ہمارے اس جدید طریقے میں، انسان مرتا نہیں، بس بار بار موت کو چھو کر واپس آ جاتا ہے۔ لو اب تمھارا سوچنے کا وقفہ شروع ہوتا ہے، ایک منٹ تک تم ہر بات پر غور کر سکتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے دونوں افراد کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا اور میں انہیں کمرے سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے ساری تفصیل اس قدر روانی اور لاتعلقی سے بتائی تھی جیسے وہ برقی رُو کے بارے میں نہیں اسپرین یا نمک کے غراروں کے بارے میں بتا رہا ہو۔ گلے کے غدود کر نرم اور درست کرنے آسان اور سادہ نسخہ اس کے جانے کے بعد میں اس کی بتائی ہوئی تفصیل پر غور کرنے لگا۔ میں نے ہر اس تفصیل کو جو اس نے بتائی تھی دہرانے کی کوشش کی، لیکن اس نے شاید ہر بات اتنی تیزی سے بتائی تھی کہ اسے دہرانا ممکن نہ تھا۔ میری کیفیت بالکل عجیب تھی، اتنی عجیب کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، پس اس کیفیت کو صرف اس سے گزرتے ہو لئے ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

یوں سمجھیں کہ آپ کسی بہت بلند عمارت کی چھت کے ایک کونے پر کھڑے ہیں اور آپ کو پتا ہے کسی بھی وقت آپ کو اس جگہ سے ہوا کا دکھائی نہ دینے والا دباؤ نیچے گرا دے گا آپ خود کر گرنے سے بچانے کے لئے کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہیں لیکن کوئی چیز، کسی ادنیٰ اور معمولی چیز کی اُمید تک دکھائی نہیں دیتی، یہاں تک کہ پیٹ کے اندر سے کوئی چیز آہستہ آہستہ گھومتی ہوئی اوپر کی طرف آتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے. جی متلا نے لگتا ہے منہ لعاب سے بھر جاتا ہے، لیکن آپ منہ نہیں کھولتے کیونکہ اس طرح پیٹ میں گھومتی ہوئی چیز منہ تک آجائے گی اور اس کو اگلنے کے لیے پیٹ کا معمولی جھٹکا، ہوا کے دباؤ کے خلاف آپ کی ساری مزاحمت ختم کر دے گا اور آپ کا جسم خلا میں چکراتا ہوا تیزی سے زمین کی طرف بڑھنے لگے گا۔

سوچنے کے لیے دیا جانے والا سارا وقفہ ایک منٹ کا ایک ایک سیکنڈ میں نے اس ہوا کو محسوس کرتے ہوئے گزرا جسے پکڑنا ممکن نہیں تھا۔ آخر وہ تینوں پھر کمرے میں آگئے اور میں نے اطمینان کا سانس لیا آخر کار انہوں نے مجھے اس کیفیت سے بچالیا. جس کو میں آج بھی کوئی نام نہیں دے سکا۔ "ہاں کریں شروع" بڑے ڈاکٹر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا لیکن میرے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں تھا اس کے باوجود میں نے ڈاکٹر سے کہا "ڈاکٹر فرض کریں میرا مطلب ہے، محض ایک امکان کے طور پر، کہ آپ کے پاس ایک ایسا آدمی لایا جائے، ایک ایسا قیدی. جس نے واقعی کچھ نہ کیا ہو اور آپ اس سے وہ باتیں اگلوانا چاہتے ہوں جو اس نے کی ہی نہ ہوں

تو ایسی صورت میں ------

"نہیں یہ ممکن ہی نہیں ——— وہ کسی ایسے آدمی کو کیوں پکڑیں گے؟

ڈاکٹر نے فوراً جواب دیا۔

"آپ فرض تو کریں ——— فرض کریں کہ ایسا ہے اور آپ کو ایک ایسے قیدی سے دوچار کر دیا گیا ہے۔"

"یہ ممکن نہیں ——————— میں تم سے کہہ رہا ہوں یہ ممکن نہیں"

"لیکن —————"

"لیکن ویکن کچھ نہیں"

"ایک منٹ ————— صرف ایک منٹ، تھوڑا سا تحمل، میں آپ سے کہتا ہوں، آپ میری بات سن لیں اس کے بعد آپ کی جو مرضی میں آئے کیجیے گا۔"

"ہوں ——— بولو -----

"میں آپ سے کہتا ہوں کہ میں ایک ایسا قیدی ہوں، جس نے اب تک کچھ، کچھ نہیں کیا، صرف کچھ چیزوں کے غلط اور درست ہونے کے بارے سوچا ہے، صرف اور صرف سوچا ہے کہ ——————

سوچا ہے، سوچا ہے نا —— تمھارا کام سوچنا نہیں، تمہارا کام صرف عمل کرنا ہے، چپ چاپ عمل کرنا۔ سوچنا ان لوگوں کا کام ہے، جو اس نظام کو چلا رہے ہیں۔ خود میرا کام سوچنا نہیں۔ میرا کام کیا ہے؟ ہر اس قیدی سے سچ اگلوانا، جو ہر طریقے کے

سامنے سخت جانی کا مظاہرہ کرے، یہ میرا کام نہیں کہ میں یہ سوچنے بیٹھ جاؤں کہ تمہیں کیوں گرفتار کیا گیا، کیسے گرفتار کیا گیا، کب گرفتار کیا گیا۔۔۔۔تمہارا کام سوچنا نہیں، میرا کام سوچنا نہیں میرا کام صرف ہر حکم پر عمل کرنا ہے، اگر ہر آدمی سوچنے بیٹھ جائے تو عمل کون کرے گا؟ اس طرح تو ہر چیز انتشار اور انارکی کا ذریعہ بن جائے گی، انہیں ــــــــ بالکل نہیں ہمیں محاذ پر کھڑے ہوئے سپائی کے رویہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ میرا کام جرنل کی طرح سوچنا نہیں ــــــــ تم نے سوچا ہے کوئی بھی سزا دینے کے لیے تمھارا یہ جرم کافی ہے۔" ڈاکٹر نے میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی بات شروع کر دی۔

"لیکن۔۔۔۔۔"

"تو۔۔۔۔۔لیکن۔۔۔۔یو سویلین باسٹرڈ۔۔۔۔تمہیں حماقت کی اس جنت سے باہر آنا ہوگا۔۔۔۔۔تم بہت وقت ضائع کر چکے ہو، باتیں بنانے کے سوا تمہیں کچھ نہیں آتا۔۔۔۔اب وقت ضائع مت کرو، اور کام کی بات کرو" ڈاکٹر کو واقعی غصہ آ گیا۔

مجھے کچھ نہیں کہنا ــــــ آپ جو کرنا چاہتے ہیں کریں" میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک پاگل آدمی کے سامنے اور کیا جا سکتا ہے۔

اپنی دائیں کنپٹی پر ٹھنڈک سی محسوس کر کے میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ڈاکٹر کے ساتھیوں میں سے ایک بوتل ہاتھ میں لیے میرے سر کے پیچھے کھڑا تھا اور اسٹیل کی ایک سلاخ کے آگے لگے ہوئے روئی کے پھائے سے کوئی چیز میری کنپٹی پر لگا

رہا تھا۔ ایسا ہی اس نے بائیں کنپٹی کے ساتھ بھی کیا بڑا ڈاکٹر میری بائیں جانب اور ان کا تیسرا ساتھی مشین کے پاس کھڑا بورڈ کے مختلف حصوں پر لگے سوئچوں کو حرکت دے رہا تھا۔ جوں جوں وہ سوئچوں کو حرکت دے رہا تھا مشین پر لگی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں شاید وہ مشین کو سیٹ کر رہے تھے جس میں بمشکل چند منٹ لگے ہوں گے۔ ساری کاروائی مکمل ہو گئی۔

"ہاں ــــــ کچھ بولنا ہے یا شروع کریں۔ تم نہیں جانتے لیکن تمہیں جلد پتا چل جائے گا۔ کہ اس کی مزاحمت کسی طرح ممکن نہیں" ڈاکٹر نے کہا لیکن میں بدستور خاموش رہا۔ کچھ کہنے یا بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اس کے بعد بہت معمولی سے دباؤ کے ساتھ دو گولے میری کنپٹی سے آ لگے میں نے ایک بار پھر بڑے ڈاکٹر کی طرف دیکھا وہ مشین کی طرف دیکھ رہا تھا میں نے بھی اپنی آنکھیں اس طرف کر لیں لیکن ابھی میری آنکھیں پوری طرح گھومی بھی نہیں تھیں کہ ایک لہر پوری قوت سے سرسراتی ہوئی میرے جسم میں داخل ہو گئی۔ اگر ڈاکٹر نے مجھے پہلے ہی نہ بتا دیا ہوتا کہ برقی رو کنپٹی سے داخل ہو گی اور لہو کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہوئی ہر عضو کو حرکت دیتی ہوئی واپس آئے گی تو میں بالکل بھی نہ سمجھ پاتا کہ سر سراتا ہوا یہ اناگاہ جسم میں کس طرف سے داخل ہوا۔ میں اس تجربے سے نہیں اس جیسے تجربے سے پہلے بھی گزر چکا ہوں ہار رہا اچانک ابھرنے والی کسی تیز آواز کو سن کر میں نے اس طرح کی ایک لہر کو سر سے پاؤں تک گزرتے ہوئے محسوس کیا ہے، لیکن

Scanned with CamScanner

وہ تو اس لہر سے ہزار گنا یا شاید لاکھ گنا کم شدید ہوتی تھی۔ نہیں آپ کوئی اندازہ نہیں کر سکتے ،جب وہ نیچے جاتی تھی تو جسم سکڑنے لگتا تھا ہر چیز سکڑنے لگتی تھی، کھال، گوشت یہاں تک کہ ہڈیاں تک سکڑتی ہوئی محسوس کی جا سکتی تھیں آپ گنتی گنیں ایک ـــــ دو ـــــ تین، جس قدر ممکن تیزی سے آپ گن سکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ رفتار سے لہر کے آنے اور جانے کا عمل مکمل ہو سکتا ہے یعنی آپ کہیں گے ایک اور جسم اتنی دیر میں سکڑ کر پھیل چکا ہوگا اور دوبارہ سکڑنے کی تیاری کر رہا ہوگا سمٹاؤ اور پھیلاؤ کے اس عمل میں آپ اپنی ہڈیوں کی ہر آواز کی سن سکتے ہیں میں ایک عجیب سے کیفیت میں تھا جو عین انزال کے لمحے محسوس ہوتی ہے پھر درد نہیں عام درد نہیں غیر معمولی درد، اگر وہ اس سے پہلے آپ کے جسم کو چمڑے کی پٹیوں میں باندھ نہ چکے ہوں تو آپ اپنے تلوؤں اور پیٹ کو کسی اچھے رقاص کی طرح بریک ڈانس کرتے ہوئے محسوس کر سکتے ہیں۔

ہر تین یا چار حرکتوں کے بعد وہ میری نبض اور دل کو چیک کرتے رہے ہر بار یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اگر لہر کو روک دیا گیا تو اس کے ساتھ ہی دل کی دھڑکنیں بھی بند ہو جائیں گی لیکن ہوتی نہیں بس تالو اور حلق خشک ہو جاتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے حلق تک کا پانی پھٹکری ڈال کر نکال لیا گیا ہو اس کیفیت سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

آپ نے حواس باختگی کا لفظ تو سنا ہوگا لیکن اس لفظ کو آپ نے کبھی اس طرح محسوس نہیں کیا ہوگا جس طرح میں نے کیا ہے سوچنے اور سمجھنے کی ہر قوت اس طرح غائب ہو جاتی ہے جیسے کبھی تھی ہی نہیں، برقی رو کے جسم سے گزرنے کے بعد

بالکل یہی محسوس ہوتا ہے لیکن برقی رو کے درمیان تو صرف لہریں محسوس ہوتی ہیں پھیلتی اور اچھالتی ہوئی لہریں چیخنے کی پوری آزادی ہوتی ہے لیکن اس آزادی کو استعمال کرنے کی قوت پہلے مرحلے کے درمیان ہی ختم ہو جاتی ہے لہریں رکتی ہیں تو ہر مسام میں سوئیاں سی چبھنے لگتی ہیں اور جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو حواس باختگی شروع ہو جاتی ہے یہ سب کچھ ایک دائرے میں ہوتا ہے لیکن آپ بالکل نہیں بتا سکتے کہ یہ سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے۔

میرا خیال ہے میں کئی دن سے بخار میں مبتلا تھا۔ کمزوری اس قدر تھی کہ آنکھیں تک کھلنے پر تیار نہیں تھیں اس کے باوجود میں بھاگ رہا تھا۔ چاروں طرف اٹھتی ہوئی گرم اور کانپتی ہوئی تپتیلی لہروں کے درمیان معمولی اور قابلِ رسائی فاصلے پر دکھائی دیتے ہوئے سرکنڈوں سے بنے اس جھونپڑے تک مسلسل بھاگ رہا تھا۔ کمزوری کے باوجود میرے دوڑنے کی رفتار بڑھ رہی تھی لیکن جوں جوں رفتار بڑھ رہی تھی ممکن ہے محض میرا خیال ہی ہو اسی تناسب سے جھونپڑا دور اور لہریں شدید ہوتی جا رہی تھیں۔ بہر صورت میں جھونپڑے سے بالکل قریب پہنچ گیا اور گر گیا اور دو آدمیوں نے مجھے اٹھا لیا۔ میرا خیال ہے وہ آدمی اسی جھونپڑے سے نکلے تھے انہوں نے مجھے کسی نرم گدے پر ڈال دیا میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن کچھ دکھائی دینے کی بجائے پلکوں پر جمی ریت کے ذرے آنکھوں میں بھر گئے میں نے آنکھیں ملنے کی کوشش کی لیکن ہاتھوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا ممکن نہیں تھا شاید کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔

Scanned with CamScanner

"تم اس وقت کہاں ہو؟" پوچھنے والے کی آواز سنی ہوئی اور جانی پہچانی تھی میں نے جواب دینے کی پوری کوشش کی لیکن حلق خشک ہونے کی وجہ سے آواز باہر نہیں نکل سکی، میں پوری قوت سے پانی کے لیے چلایا لیکن اب دہانہ کھولنا بھی ممکن نہیں تھا۔ تب کسی نے میرے جبڑے کو کھولنے کی کوشش کی، کوئی سخت چیز میرے دانتوں سے ٹکرائی اور دہانہ کھل گیا مجھے اپنا حلق تر محسوس ہونے لگا شاید کوئی چیز میرے حلق میں ٹپکائی جا رہی تھی لیکن حلق کو تر کرتی ہوئی چیز حلق سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

"تم اس وقت کہاں ہو۔" اسی آواز نے پھر پوچھا اور میں سوچنے لگا میں اس وقت کہاں ہوں اس جگہ کو میں کئی بار دیکھ چکا ہوں لیکن مجھے اب تک معلوم نہیں کہ یہ جگہ کہاں ہے اور کیا کہلاتی ہے مجھے پتا نہیں شاید یہ جگہ سمندر کے کنارے سے کہیں ہے" میں نے ممکن حد تک درست جواب دینے کی کوشش کی شاید سمندر کے کنارے

بے ہوشی کا ڈراما مت کرو---- میں تم لوگوں کی ساری اداکاریوں سے واقف ہوں۔ تم اس خاموشی کے ذریعے مجھے اپنے بے ہوش ہونے کا یقین نہیں دلا سکتے یہ وہی آواز تھی بالکل وہی آواز۔

میں سوچ رہا تھا یہ آواز میری سنی ہوئی ہے لیکن کس کی ہے اور یہ شخص کس پر ناراض ہو رہا ہے مجھ پر ناراض ہونے کا تو کوئی جواز ہی نہیں میں تو اس کے ہر سوال کا جواب دے رہا ہوں۔

تمہیں کس نام سے بلایا جاتا تھا----؟" اسی آواز نے پھر پوچھا۔

اس کا کیا مطلب ہے ضرور یہ میرے پہلے نام کے بارے میں جانتا ہے "غلام" میں نے پوری قوت سے جواب دیا۔ لیکن میرا یہ جواب بھی اس کے غصے کو کم نہیں کر سکا۔

"حرامزادہ خود کو غلام سمجھتا ہے اتنی آزادی کے باوجود۔ کہاں سے آئے ہو؟" اس نے دبی ہوئی آواز کے بعد اونچی آواز میں پوچھا۔

"خیر پور ٹامے والی------ نہیں------ پاک پتن------ نہیں۔ تونسہ شریف نہیں اُچ شریف، بہاول نگر، کوٹ اڈو، لیہ سیت پور، علی پور، منچن آباد، مظفر گڑھ، فورٹ عباس، خیر پور ٹامے والی۔ خیر پور ٹامے والی۔ خیر پور ٹامے والی، خیر پور نہیں------ نہیں-------- نہیں---- میں کہیں سے نہیں آیا------ میں کہیں سے نہیں آیا کہیں سے نہیں۔ آیا ہوتا تو واپس چلا جاتا۔ واپس چلا جاتا۔ واپس چلا جاتا۔ میری آواز رُندھ گئی۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے میں رو رہا تھا۔ کیوں----؟ مجھے پتا نہیں---- میرا منہ چکنے جھاگ سے بھر گیا۔ انہوں نے مجھے اٹھا کر نیچے ڈال دیا ڈولتی اور حرکت کرتی ہوئی زمین پر لیکن اب شاید ریت کا ابال ختم ہو چکا تھا۔

ایک بار پھر میں گہری تاریکی میں تھا گہری تاریکی جو ہر بار میری پناہ بن جا تی تھی اور مجھے سمیٹ لیتی تھی۔

جب میری آنکھ کھلی تو ایک بار پھر میں اسپتال کے اس کمرے میں تھا۔ صبح ہو چکی تھی ایک آدمی میرے سرہانے ناشتہ لیے کھڑا تھا۔ شاید اسی نے مجھے جگایا تھا میں کمزوری

Scanned with CamScanner

محسوس کر رہا تھا۔ لیکن یہ کمزوری اس قدر نہیں تھی کہ میں اٹھ کر باتھ روم تک نہ جا سکوں۔

منہ ہاتھ دھو کر میں نے ناشتہ کیا اور سوچنے لگا۔ مجھے کمرے میں کب لایا گیا تھا۔ لایا گیا تھا یا لے جایا گیا تھا، لے جایا ہی نہیں گیا تھا۔ جو کچھ مجھے یاد آ رہا تھا وہ سب ایک خواب کی طرح تھا۔ میں بہت دیر تک سوچتا رہا اور ڈاکٹر کا انتظار کرتا رہا لیکن ڈاکٹر نہیں آیا البتہ اسی دوران کسی وقت وارڈ بوائے اندر داخل ہوا اور مجھے بڑے ڈاکٹر کے پاس چلنے کے لئے کہا وہ اپنے ساتھ ایک اسٹریچر بھی لایا تھا لیکن میں نے خود چل کر جانے پر اصرار کیا اور اس کے ساتھ ہولیا۔

بڑے ڈاکٹر کا کمرہ بالکل ویسا تھا جیسا میں رات ہی خواب میں دیکھ چکا تھا۔ خود بڑا ڈاکٹر اس کے دونوں ساتھی، چمڑے کا بستر جس پر مجھے لیٹنے کے لیے کہا گیا اس کے ساتھ رکھی ہوئی مشین ہر چیز میری دیکھی ہوئی تھی میں اس سارے منظر کو دیکھ کر ہنسنے لگا اور سوچنے لگا اچھا تو اب میں سچے خواب بھی دیکھنے لگا ہوں۔

میں نے اپنی کلائی کی نوچ کر دیکھا۔ میں بالکل جاگ رہا تھا ہر چیز خواب میں دیکھی ہوئی ہونے کے باوجود بالکل جیتی جاگتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں سوچنے لگا ضرور میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کون سا اس بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

"سنو پاگل پن کی اداکاری کرنے کی کوشش نہ کرو" بالکل وہی آواز وہی انداز "---- ابھی تم پاگل نہیں ہوئے، لیکن ہو جاؤ گے ہمیں بالکل جلدی نہیں، لیکن

تمہیں وقت کی اہمیت کا ضرور احساس ہونا چاہیے تمھارے لیے وقت بہت قیمتی ہے جتنا زیادہ وقت لو گے، اسی قدر نقصان اٹھاؤ گے اور اسی قدر تمہارا حافظ ختم ہوگا تم خود کو بالکل ٹھیک محسوس کرو گے لیکن لوگ تمہیں ٹھیک نہیں سمجھیں گے ------ اگر تم ہمیں کچھ نہیں بتاؤ گے تو کسی کو کچھ نہیں بتا سکو گے۔ ------ یاد رکھو ----- انسان تھک سکتا ہے مشین کبھی نہیں تھکتی۔ مشین کے سامنے طاقت کا استعمال کرنا بے کار ہے ہم تو ڈاکٹر ہیں۔ ہمارا کام تمہاری مدد کرنا ہے تم ذہنی عارضے میں مبتلا ہو یہ بات ہر آدمی کو پتا ہے کہ تمہیں ذہنی علاج کے لئے لے جایا گیا ہے اس لیے تمہیں ہم سے تعاون کرنا چاہیے کیونکہ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ڈاکٹر نبض پر ہاتھ رکھ کر علاج کر دے تمہیں اپنی زبان کھولنی پڑے گی اپنی ہر بات بتانی پڑے گی۔

وہ ایک مشفق باپ کی طرح بول رہا تھا۔ بے جوڑ ہونے کے باوجود اس کی بات میری سمجھ میں آ رہی تھی لیکن میں بالکل سمجھ نہیں سکا کہ مجھ اسے کیا بتانا چاہیے ایسی کون سی بات ہے جو میرے علاج میں مددگار ہو سکتی ہے

"ہمیں بتاؤ تمہیں کس بات کا ڈر ہے ہم تمہیں مکمل تحفظ دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کن لوگوں کے ساتھ مل کر اخبار نکالتے تھے اس کے لیے رقم تمہیں کہاں سے اور کیسے ملتی تھی اخبار کو کہاں تیار کیا اور کہاں چھاپا جاتا تھا اس کے لیے مضامین کون لکھتا تھا اور پھر اس اخبار کو کس طرح تقسیم کیا جاتا تھا اور کون کون تقسیم کرتا تھا؟" وہ بولتے بولتے تھوڑی دیر کے لیے رک گیا اور میں سوچنے لگا میں جس اخبار کو

Scanned with CamScanner

نکالنے کے لیے کام کرتا ہوں اس کا میری بیماری سے کیا تعلق ہوسکتا ہے اور جو کچھ یہ ڈاکٹر پوچھ رہا ہے اس میں سے بہت سی باتیں تو خود اخبار دیکھ کر بھی جانی سکتی ہیں اور باقی باتیں اخبار کے دفتر جا کر کسی سے بھی پوچھی جاسکتی ہمیں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جسے معلوم کرنے کا کسی کی بیماری سے خاص طور پر ذہنی بیماری سے کوئی تعلق ہو۔ میں نے یہ ساری اسے بتا دیں لیکن اس نے صرف اتنا کہا تم واقعی ایک احمق آدمی ہو۔

ڈاکٹر کے ساتھیوں میں سے ایک نے میرے ہاتھ اور پاؤں چمڑے کے تسموں میں کس دیے بالکل اسی طرح جیسے خواب میں کیے گئے تھے۔ پھر کنپٹیوں پر محلول لگایا گیا اور دو گول چیزیں میری کنپٹیوں سے آلگیں۔ اچانک میرا پورا جسم اکڑ گیا۔ ہر جوڑ ایک دوسرے سے الگ ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ شاید میرے ہاتھ اور پاؤں کھینچے جارہے تھے یہاں تک کہ مجھے اپنی آنکھیں حلقوں سے باہر نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگیں میں نے چیخنے کی کوشش کی لیکن چیخنا ممکن نہیں تھا میری زبان پھول کر حلق میں اٹک گئی تھی میرے ہاتھ اور پاؤں مسلسل کھینچے جارہے تھے۔ اچانک یہ حالت ختم ہوگئی، ہر جوڑ جھٹکے سے واپس دوسرے جوڑ سے آلگا۔ میں بالکل نہیں بتا سکتا، جوڑوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا زیادہ تکلیف دہ تھا یا واپس جڑنا

اب میرے کانوں میں طبلے کی دھیمی تھاپ پر سارنگیاں بج رہی تھیں پھر تھاپ بڑھتی گئی سارنگیوں کی آواز تیز ہوتی گئی اچانک آواز تبدیل ہوگئی سارنگی کی جگہ گٹار اور طبلے کی جگہ ڈرم بجنے لگا اور آواز کی شدت میں اضافہ ہونے لگا۔ اتنا اضافہ کہ

ڈرم اور گٹار کا فرق ختم ہوگیا اور صرف مسلسل تیز ہوتا ہوا شور باقی رہ گیا کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے پھر یوں لگا جیسے دماغ کے دو ٹکڑے کیے جارہے ہوں دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہوں ایک ٹکڑا مجھے چیخنے پر مجبور کرنے لگا اور دوسرا رونے پر لیکن رونا اور چلانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا جیسے میں پانی میں ڈوب رہا ہوں۔ ایک مینڈک میرے منہ میں حلق کے سامنے آکر بیٹھ گیا ہے میں اس کے مسلسل ہلتے ہوئے پیٹ کو اپنی زبان پر محسوس کررہا تھا۔ اس کی لجلجی پیٹھ میرے تالو سے چپکی ہوئی تھی اگر کوئی اور چیز ہوتی تو میں دانتوں سے کاٹنے کی کوشش کرتا، لیکن ایک مینڈک ایک زندہ مینڈک پر دانت چلانا تو دور کی بات ہے اس کا منہ میں ہونا بھی بڑی عذاب ناک بات ہے آپ صرف ایک منٹ سوچیں ایک لجلجا، سانس لیتا ہوا مینڈک آپ کے منہ میں بیٹھا ہے شدید متلی کے باعث مجھے اپنا معدہ کٹتا ہوا محسوس ہونے لگا اور آخر کوئی چیز پوری قوت سے حلق تک آئی اس گرم تلخ اور کھٹی چیز نے پوری قوت سے مینڈک کو منہ سے باہر اچھال دیا اور مجھے اس سے نجات دلا دی متلی اس قدر سکون بخش بھی ہوسکتی ہے میں کبھی نہ جان سکا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھ پر غنودگی بھی طاری ہونے لگی۔

میں مسلسل دو دن سے اس کمرے میں آرام کررہا تھا کھانا سونا اور سوچنا اس کے سوا کوئی کام نہیں مجھے ہر چیز یاد تھی لیکن کبھی کوئی حصہ زیادہ نمایاں ہوجاتا تو کبھی کوئی اور حصہ ایک بار پھر میں اپنے کمرے میں تھا اور وارڈ بوائے مجھے بڑے ڈاکٹر کے پاس

Scanned with CamScanner

لے جانے کے لیے آیا ہوا تھا میں بالکل جانے کے لئے تیار نہیں تھا میں خوفزدہ تھا لیکن بہر صورت مجھے جانا پڑا لیکن یہ وہ کمرہ نہیں تھا جہاں مجھے پہلے لے جایا جاتا تھا اس کے علاوہ اس بار اس کے ساتھ وہ ڈاکٹر بھی نہیں تھے بلکہ دو نئے ڈاکٹر تھے۔

انہوں نے مجھے ایک اسٹول پر بیٹھنے کیلئے کہا اور کمرے کی تمام روشنیاں بجھا دیں اور ایک اور بلب جلا دیا جو بالکل میرے سر پر روشن تھا اور اس کی روشنی بھی غیر معمولی طور پر تیز تھی۔

اوپر دیکھو روشنی کی طرف یہ بڑے ڈاکٹر کی آواز تھی۔

میں نے اوپر دیکھا لیکن اوپر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سر نیچے کر لیا میری آنکھوں کے سامنے گہرے سبز اور سرخ چمکیلے رنگ کے دائرے گھومنے لگے۔

"اوپر کیوں نہیں دیکھ رہے میں نے تمہیں اوپر دیکھنے کے لیے کہا تھا اور بڑے ڈاکٹر کی آواز پھر سنائی دی۔

روشنی بہت تیز ہے" میں نے آواز کی طرف گردن گھما کر جواب دیا۔

کیا تمہیں معلوم ہے تمہیں بیماری کیا ہے بڑے ڈاکٹر نے پوچھا۔

مجھے کوئی بیماری نہیں ہے مجھے گرفتار کر کے مجھ پر تشدد کیا گیا جس کی وجہ سے میری حالت خراب ہوگئی تھی اور وہ مجھے یہاں لے آئے تھے میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

کیا تمہیں واقعی نہیں معلوم کہ تمہیں حافظے کی ایک ایسی بیماری ہے جس

میں آہستہ آہستہ یاداشت ختم ہو جاتی ہے اور تم کافی حد تک اپنی یاداشت کھو بیٹھے ہو تم چیزوں اور لوگوں کے نام بھول گئے ہو بڑے ڈاکٹر نے ہمدردی اور اعتماد سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ممکن ہے آپ درست کہہ رہے ہوں لیکن مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں ہوا"

ہم اسے ثابت کر سکتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہیں یہاں نہ لایا جاتا یہ تو ذہنی امراض کا مرکزی اسپتال ہے ------------ کیا تمہیں یاد ہے کہ تمہارے حافظے کی بحالی کے لیے اور اسے معمول پر لانے کے لیے بجلی کے جھٹکے دیے گئے ہیں اسی ڈاکٹر نے پھر اندھیرے میں سے پوچھا۔

ہاں مجھے علم ہے لیکن مجھے جھٹکے اس لیے نہیں دیے گئے تھے کہ میں کوئی ذہنی مریض تھا بلکہ یہ طریقہ بھی اسی تشدد کا ایک حصہ تھا جو مجھ پر گرفتاری کے بعد مسلسل کیا جا رہا ہے میں نے جواب دیا لیکن میرے جواب کو انہوں کسی توجہ کے قابل نہیں سمجھا البتہ تھوڑی دیر بعد وہ روشنی بجھا دی گئی اور دوسری روشنیاں جلا دی گئیں پھر ان روشنیوں کو بھی بجھا دیا گیا اور کمرے میں صرف ایئر کنڈیشنر کے چلنے کی آواز رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد سامنے کی دیوار میں ایک اسکرین روشن ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی بڑے ڈاکٹر کی آواز آئی اسکرین کی طرف دیکھو"

کیا تم اس جانور کو پہچان رہے ہو ایک اور آواز نے پوچھا شاید وہ ڈاکٹر کے ساتھیوں میں سے کوئی تھا۔

Scanned with CamScanner

گدھوڑا۔۔۔۔۔" بے ساختہ میری زبان سے نکلا کیونکہ ابھی میں گدھا کا لفظ پوری طرح ادا بھی نہیں کر پایا تھا کہ گدھے کی تصویر پر گھوڑے کی تصویر میں تبدیل ہو گئی میں نے اپنے جواب کو تصویر سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی تو گدھے اور گھوڑے کے لفظ ایک دوسرے میں مل گئے۔

یہ کون سا جانور ہوتا ہے اسی آواز نے نرمی اور طنز سے کہا ہر تصویر کو غور سے دیکھو اپنے حافظے پر زور ڈالو اور پھر جواب دو ہاں اب اسکرین کی طرف دیکھو اور جواب دو۔

اسکرین پر گدھے کی تصویر تھی اس لیے میں نے انہیں بتادیا کہ یہ گدھا ہے

غور سے دیکھو یہ گدھا نہیں گھوڑا ہے اسی آواز نے کہا

ممکن ہے گدھا ہو لیکن ہم لوگ اسے گدھا۔۔۔۔۔ میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے گدھے کی تصویر ایک بار پھر گھوڑے کی تصویر میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"لیکن تم لوگ سمجھتے رہو اس آواز نے جملہ مکمل کر دیا۔

اس عرصہ میں انہوں نے تقریباً ایک گھنٹے تک میرے ساتھ یہ تماشا کیا ہر بار بڑے ڈاکٹر کی آواز اصرار کرتی کہ میں درست جواب دوں اور میں درست جواب دیتا لیکن میرے جواب سے پہلے ہی چیز تبدیل ہو چکی ہوتی اس طرح وہ ہر ممکن طریقے سے مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے میرا حافظہ انتشار کا شکار ہے لیکن مجھے پتا تھا کہ یہ سب جان بوجھ کر کیا جا رہا ہے آخر یہ کھیل ختم کر دیا گیا۔ جب کمرے میں روشنی کی گئی تو وہ دونوں بڑے ڈاکٹر کے ساتھ میز پر اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے جس

طرح وہ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے جب مجھے اس کمرے میں لایا گیا۔

فائلوں کے مطالعے کے لیے ان کا انہاک قابل دید تھا اور یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ میری موجودگی سے قطعاً بے خبر ہیں اور تھوڑی دیر پہلے تک کمرے میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا مزید یہ کہ بڑے ڈاکٹر نے گھنٹی بجائی اور مجھے لانے والے وارڈ بوائے کے اندر داخل ہونے پر کہا اسے واپس لے جاؤ آج میں ان مہمانوں کے ساتھ بہت مصروف ہوں میں اسے کل دیکھوں گا اور اس کے بعد اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا کوئی خاص خرابی تو نہیں پریشان مت ہونا حافظے کا نظام معمولی سا متاثر ہوا ہے میں ان ڈاکٹروں سے تمہارے کیس پر بھی تبادلہ خیال کروں گا۔

مجھے اس کی ہر بات اور انداز پر غصہ آ رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا بیٹا خوب آرام کرلو وارڈ بوائے نے بڑے ڈاکٹر کے کمرے سے کچھ دور نکلنے کے بعد بڑے رازدارانہ انداز میں کہا دو ایک روز میں وہ تمہیں یہاں سے لے جانے والے ہیں۔

کہاں لے جانے والے ہیں؟ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا حالاں کہ اب مجھے پوری طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں کی نفرت اور محبت دونوں یکساں طور پر نا قابل اعتبار ہیں جذبے سے خالی اور کسی نہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ لیکن اس وقت تو مجھے اس محبت اور نفرت کی بھی ضرورت تھی اس لیے میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے پوچھ لیا تھا۔

Scanned with CamScanner

وہیں جہاں سے تمہیں لایا گیا تھا اور ڈیوائے نے دبی ہوئی آواز میں کہا
میں نے اس کی اس بات کو اس طرح سنا جیسے مجھے اس ساری گفتگو سے کوئی
دلچسپی نہیں حالانکہ میری کوشش صرف اتنی تھی میری زبان سے کوئی غلط نام نہ نکلے مجھے
سارتر کی وہ کہانی بار بار یاد آ رہی تھی جس میں ایک قیدی تشدد سے بچنے کے لیے اپنے
روپوش ساتھی کے ایک غلط ٹھکانے کی نشاندہی کرتا ہے اور اتفاقاً اسے وہیں سے گرفتار
کیا جاتا ہے۔ دراصل میرا اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ کہانی ایک انسان کے اس
عہد کی اہمیت کو بیان کرتی ہے جو وہ اپنے آپ سے کرتا ہے اس عہد سے دانستہ یا نا
دانستہ دستبرداری دونوں ایک ہی درجے کی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں لیکن میں نے تو
کسی سے یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی کوئی عہد نہیں کیا مجھ پر کسی عہد کی پاسداری کا
بوجھ نہیں، یہ پہلا عہد ہے جو اس تشدد سے گزرتے ہوئے میں نے اپنے آپ اس سے
یہ مطلب اخذ کریں کہ میں نے تشدد کے اس لامتناہی سلسلے سے بچنے کیلئے یہ راستہ
اختیار کیا ہے تو بھی آپ غلطی پر نہیں ہوں گے۔

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہوتے ہی مجھے پھر اسی کمرے میں پہنچا دیا گیا
اس بار ڈاکٹروں کے چہروں پر غیر معمولی نرمی تھی انہوں نے مجھے اپنے ہی جیسی ایک
کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور اُن میں سے ایک نے پوچھا کیا تمہیں پتا ہے تم دراصل
کون ہو

ہاں میں ایک قیدی ہوں بلاوجہ گرفتار کیا گیا ایک قیدی میں نے بڑی نرمی سے

جواب دیا آپ نے ضرور محسوس کیا ہوگا کہ میں باتیں کچھ زیادہ ہی کرتا ہوں حالانکہ پہلے
ایسا نہیں تھا پہلے میں خاموشی کو مزاحمت سمجھتا تھا میرا خیال تھا کہ ناپسندیدہ باتوں سے
بچنے کے لیے لاتعلقی اور دستبرداری کا راستہ اختیار کرنا چاہیے لیکن حالات نے اس بات
کو غلط ثابت کر دیا۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ ہر بات کا جواب دیا جانا چاہیے ہر بات
میں شریک ہونا چاہیے دستبرداری اور لاتعلقی کے ذریعے بچنا ممکن نہیں طاقت رکھنے
والے کے پاس تو بالادستی ہوتی ہے کیوں نہ ذمہ داری کا بوجھ بھی اس پر ڈال دیا جائے۔

وہ میری بات سن کر ہنس پڑے اور ان میں سے ایک ڈاکٹر آہستہ آہستہ چلتا
ہوا میرے پیچھے آ کھڑا ہوا ہر چند کہ اس کا انداز انتہائی غیر جارحانہ تھا لیکن میرا سارا جسم
بے ساختہ اکڑ گیا جیسے کسی اچانک حملے سے بچنے کی تیاری کر رہا ہو میرے ذہن میں یہ
بات راسخ ہو چکی تھی کہ مسکراتے اور نرمی سے بات کرتے کرتے یہ آدمی کس بھی وقت
اچانک ٹھوکروں اور مکوں کی بارش بھی کر سکتا ہے یہاں اسے کوئی نہیں روکے گا ان کی
کوئی حرکت غیر قانونی اور غیر اخلاقی نہیں تھی وہ سویلین باسٹرڈ نہیں تھے طاقت نے ان
کے ہر عمل اور خواہش کو قانون بنا دیا تھا۔

آرام سے آرام سے اس نے میرا کاندھا تھپکتے ہوئے کہا ہم تمہاری مدد کرنا
چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے تمہیں بھی ہم سے تعاون کرنا پڑے گا اس نے اسی جملے
سے ابتدا کی جو میں گرفتاری کے بعد سے اب تک کئی لوگوں کے منہ سے سن چکا تھا اور
مجھے پتا تھا کہ مدد کرنے کے ان کے نزدیک کیا معنی ہیں بہرصورت میں تمہیں سب کچھ

Scanned with CamScanner

بتا دیتا ہوں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو اپنے بارے میں حقیقت کو جاننے کے لیے بڑی قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے یہی قوت برداشت اسے ساری مصیبتوں سے بچا سکتی ہے لیکن اس کے لیے دوسروں پر اعتبار کرنا پڑتا ہے بھروسا پوری کھلے دل سے وہ ہر جملے کو ٹکڑوں میں ادا کر رہا تھا دراصل تم ذہنی انتشار کا شکار ہو تم نے کسی ایسی بات کو مجبوراً یا حالات کے دباؤ کے تحت قبول کر لیا ہے جسے تم ایک پر امن اور حب وطن شہری ہونے کی حیثیت سے ناپسندیدہ اور غلط سمجھتے ہو واقعی اس کا اندازہ بالکل درست ہے میں نے اپنے دل میں سوچا اگر میں نے واقعی ایک انسان کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کی ہوتیں تو آج پورے ملک کو ان حالات سے نہ گزرنا پڑتا واقعی میں نے ایک دانستہ جرم کیا تھا ایک ذہنی مریض جس نے اتنی بڑی ٹھوس حقیقت کو اپنے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہ دیکھا میں نے سوچ رہا تھا اور وہ بول رہا تھا تمہارے ذہن میں کسی طرح یہ بات بیٹھ گئی ہے تم ایک سیاسی قیدی ہو حالانکہ قیدی صرف قیدی ہوتا ہے جو بھی جرم کرتا ہے قیدی بنا لیا جاتا ہے سیاسی قیدی ایک اضافی اصطلاح ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں خود کو سیاسی سمجھنا اس ملک کو تباہ کرنے والوں کے ساتھ کھڑا ہونے کے مترادف ہے ایک پڑھے لکھے آدمی ہو اور اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو کہ پُر امن شہری ہونے کا مطلب ہے صرف اپنے کام سے کام اپنے گھر کی ذمے داریاں ایک اچھی زندگی کی ذمے داریاں پوری کرنے کے بارے میں سوچنا صرف اپنے اور اپنی ترقی کے بارے میں سوچنا، اسپیشلائزیشن کے اس دور میں ہر آدمی

کا ایک کام ہے لیکن تم خراب لوگوں کی صحبت میں بگڑ گئے پہلے تم ملازمت نہیں کرنا چاہتے تھے پھر تم ملازمت کرنے پر آمادہ ہوئے تو سرکاری ملازمت کرنے سے گریز کیا اور اپنے جاننے والوں کے سامنے یہ بہانہ بنایا کہ سرکاری ملازمت تمہاری آزادی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے گی حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ آزادی کے بارے میں تم غلط تصورات کا شکار تھے یہی حالت تمہاری موجودہ ملازمت کے بارے میں تھی جب تمہیں ملازمت ملی تو تم نے یونین بازی شروع کر دی اور اپنی ملازمت کو داؤ پر لگا دیا۔

حالانکہ کساد بازاری اور بے روزگاری کے اس زمانے میں کسی اچھے ادارے کی ملازمت خدا کی رحمت ہے لیکن تم نے کفران نعمت کیا اس ساری خرابی کی جڑ وہ غلط کتابیں ہیں جو تمہارے گھر سے برآمد ہوئی ہیں ان کتابوں نے تمہارے ذہن میں ہی نہیں پوری قوم کے ذہن میں انتشار پیدا کر دیا ہے قومی ترقی کے لیے یکسوئی کے راستے مسدود کر دیے ہیں اس کی ایک وجہ ضرورت سے زیادہ تعلیم بھی ہے آج کل پسماندہ اقوام میں اتنی زیادہ تعلیم عام کی کوئی ضرورت نہیں موجودہ نظام تعلیم کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے گدھے اور گھوڑے کو تعلیم کے یکساں مواقع حاصل ہیں ہمارے ملک کو ایک بہتر اور رات دن محنت کرنے والے مزدور طبقے کی ضرورت ہے لیکن تعلیم نے محنت کش طبقے کی یکسوئی ختم کر دی ہے ان کے اندر مذہب سے حقیقی لگاؤ اور ملازمت دینے والوں کی فرمانبرداری اور لگن ختم کر دی ہے۔

تمہارے خیال میں ہم لوگ کون ہیں تیسرے آدمی نے جواب تک خاموش

Scanned with CamScanner

بیٹھا تھا پوچھا۔

تفتیش کار میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

تفتیش کار نہیں ------ ڈاکٹر اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر میرے سامنے کر دیا کارڈ کے مطابق وہ ڈاکٹر ایم اے یوسف تھا امریکہ سے تعلیم یافتہ اور ذہنی امراض کا ماہر

تمہیں یقین نہیں آیا؟ یہ ایک افسوسناک بات ہے مریض کو اپنے ڈاکٹر پر مکمل اعتبار کرنا چاہیے اس کے بغیر علاج قطعاً سودمند نہیں ہوتا اور اگر تم نے یہاں علاج کرانا پسند نہ کیا تو ہم تمہیں یہاں سے بھیج دیں گے اور وہ لوگ تمہیں کسی پاگل خانے میں ڈلوا دیں گے اور تمہاری بقیہ زندگی کسی تاریک کونے میں پڑے پڑے گزر جائے گی۔

لیکن آپ پر اپنے اعتبار کو ظاہر کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا پڑے گا؟" میں نے ڈاکٹر یوسف سے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو اپنی گزشتہ زندگی کے پورے حالات بیان کرنا ہوں گے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے بارے میں خاص طور پر دوستوں کے بارے میں مکمل برائے دنیا ہوگی اس بات کا تجزیہ کرنا ہوگا کہ انہوں نے کس مقصد کے لیے تم سے دوستی کی کیونکہ آج کوئی دوستی مقصد کے بغیر نہیں ہوتی اس کے بعد جہاں جہاں ہم سوال کریں گے اس کا جواب دینا ہوگا بس اور تمہارا علاج شروع ہو جائے گا۔"

" کیا اس کے لیے کچھ وقت دیا جائے گا میں نے پوچھا۔

ضرور ------ ہم کل صبح شروع کر سکتے ہیں ڈاکٹر یوسف نے خوش ہوتے ہوئے کہا اس کی آواز میں مسرت کے عنصر کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔

اس کے بعد ایک بار پھر میں اپنے کمرے میں تھا اور پوری سنجیدگی سے ڈاکٹر کی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کیونکہ بظاہر اس شکنجے سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

اسی رات مجھے ہتھکڑیاں لگا کہ ایک ویگن میں سوار کرا دیا گیا دس گیارہ گھنٹے کی مسلسل مسافت کے بعد گاری ایک پھاٹک کے اندر جا رکی اور مجھے لانے والے دو مسلح محافظوں نے مجھے ایک اور محافظ کے حوالے کر دیا اور رخصت ہو گئے میرے سامنے ایک اور بھاری دروازہ تھا جس میں داخل ہوتے ہی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی ایک قطار میرے سامنے تھی تھوڑی دیر تک وہاں بٹھانے کے بعد دائیں ہاتھ بنی ہوئی سیڑھیوں کے ذریعے مجھے ایک زمین دوز حصے میں پہنچا دیا گیا جہاں ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر متعدد کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن کے دروازے بند تھے۔

میرا پہلا تاثر تو یہ تھا کہ مجھے کسی پاگل خانے میں منتقل کر دیا گیا ہے لیکن ظاہر ہے میں خاموش رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا ان کوٹھڑیوں کے اختتام پر ایک اور دروازہ تھا اس دروازے سے گزرنے کے بعد مزید کوٹھڑیاں تھیں کوئی چھ کے قریب لیکن مجھے صرف ایک کوٹھڑی کا دروازہ دکھائی دے رہا تھا ان کوٹھڑیوں کے بالکل سامنے ایک دو منزلہ عمارت تھی لیکن دروازے کے ساتھ ہی ایک راستہ اور نیچے جا رہا تھا

Scanned with CamScanner

ہم ان سیڑھیوں پر گھوم گئے اور نیچے لے جا کر اس نے مجھے ایک اور سنتری کے حوالے کر دیا جس نے مجھے نیچے بنی ہوئی کوٹھڑیوں میں سے ایک میں بند کر دیا۔

کوٹھڑی کے اندر دیوار کے ساتھ ایک چبوترا بنا ہوا تھا جس پر دو کمبل رکھے تھے چبوترے کے ساتھ والی دیوار کے آخر پر بیت الخلاء تھا جسے باہر ہی سے صاف کیا جاتا تھا اس کے علاوہ ایک مٹکا پلاسٹک کا لوٹا اور مٹی کا ایک پیالہ گویا مستقل رہائش کا انتظام------ تھوڑی دیر بعد چائے دی گئی جس کے لیے مٹی کے پیالے ہی کو استعمال کیا گیا میں سفر کے دوران مسلسل بیٹھے رہنے کی وجہ سے تھک گیا تھا اس لیے چائے پیتے ہی سو گیا رات کے وقت دو روٹیاں اور پانی جیسے پتلے شوربے میں دو بوٹیاں دی گئیں اب تک ہر بات ٹھیک ٹھاک تھی اور کسی اعتبار سے پاگل خانے والی کوئی بات نظر نہیں آئی تھی۔

رات کو کھانا کھا کر میں پھر سونے کی تیاری میں لیٹ گیا لیکن سارا دن سوتے رہنے کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی اور میں گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا ہر بات اس حد تک بے جواز تھی کہ غیر حقیقی لگتی تھی اسی دوران کسی کوٹھڑی کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی میں نے کوٹھڑی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن باہر کا دروازہ بند ہوتا باہر دیکھنا ممکن نہیں رہتا تھا۔

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے بعد کچھ لوگوں کے چلانے کی آوازیں آنے لگیں گویا کسی اور کو لایا گیا ہے یا لے جایا جا رہا ہے------ اس وقت

لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ قیدی کو کسی اور جگہ منتقل کیا جا رہا ہے یا اس سے پوچھ گچھ ہونے والی ہے تھوڑی دیر بعد ہی عمارت کے کسی حصے سے غالباً اوپر کے حصے سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں شاید تفتیش ہو رہی تھی میرا جسم اکڑتا جا رہا تھا میرے سامنے چوہدری کھڑا تھا ملک کھڑا تھا------ بڑا ڈاکٹر کھڑا تھا میرے تلوؤں میں آگ لگی ہوئی تھی اور میرا جسم پسینے میں بھیگ رہا تھا اس لیے مجھے بالکل یاد نہیں کہ چیخیں کس وقت بند ہوئیں اور کس وقت مجھے نیند آ گئی۔

اس طرح پندرہ دن گزر گئے

پندرھویں دن شام کے وقت ------ شام کا وقت میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دوسری بار چائے پینے کا مطلب شام ہوتا تھا ویسے تو وقت کا کوئی اندازہ ممکن نہیں تھا کیونکہ کوٹھڑیاں تہہ خانے میں واقع تھیں اور دن رات بلب جلتے رہنے کی وجہ سے یکساں روشنی رہتی تھی لیکن جب ناشتے کی آواز لگتی تو میں سمجھ لیتا کہ صبح ہوئی ہے اس طرح دوپہر کے وقت کھانا لانے والا روٹی کی آواز لگاتا شام کی چائے کے وقت چائے کی آواز لگتی اور رات کو کھانا دینے والا لنگری کی آواز لگاتا۔

پندرھویں دن شام کے وقت مجھے اوپر لے جایا گیا اوپر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تین کمرے بنے ہوئے تھے جب ہم پہلے کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں دو پولیس انسپکٹر اور ایک ادھیڑ عمر کے آدمی سادہ لباس پہنے بیٹھا تھا انسپکٹرز جس طرح مودب بیٹھے تھے انہیں دیکھ کر کوئی بھی آدمی بتا سکتا تھا کہ تیسرا آدمی ضرور کوئی بڑا افسر ہے۔

بیٹھ جاؤ اس آدمی نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھوڑی دیر بعد چائے آئی اور چائے پینے کے بعد دونوں اسپکٹر بھی کمرے سے چلے گئے۔

سگریٹ پیتے ہو اس نے سگریٹ میری طرف بڑھا دیا اور میں نے سگریٹ کی اس فراخدالانہ پیش کش کو بھی اس طرح قبول کیا جیسے یہ بھی اس کا حکم ہو اپنا سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے میرا سگریٹ بھی سلگوایا اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے----اس وقت تم کہاں ہو؟

مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" میں نے جوب دیا۔

یہ قلعہ ہے اسے شاہی قلعہ بھی کہتے ہیں اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا شاید وہ اپنے انکشاف کا اثر دیکھنا چاہتا تھا واقعی میرے لیے ایک بڑا انکشاف تھا اس انکشاف کے ساتھ ان گنت کہانیاں میرے ذہن میں گردش کرنے لگیں قلعہ جو انگریزوں کے زمانے سے آج تک تشدد کا سب کا بڑا مرکز خیال کیا جاتا تھا۔

میرا خیال ہے تم ضرور اس جگہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے میں وفاقی وزارت داخلہ میں ڈپٹی سیکریٹری ہوں ہمیں تمہارے بارے میں تمام اداروں کی رپورٹیں مل چکی ہیں میں کسی تفصیل میں جانے کی بجائے تم سے بہت مختصر بات کروں گا میں ہوسیکرٹری صاحب کی طرف سے تمہاری رہائی کے لیے ایک پیش کش لایا ہوں لیکن یہ پیشکش تمہارے تعاون سے مشروط ہے

''لیکن میں کس قسم کا تعاون کر سکتا ہوں''؟

پہلے پوری بات تو سن تو پھر سوال بھی کر لیا ہماری پیشکش بہت آسان ہے تمہیں رہا کر دیا جائے گا لیکن تھوڑی سی سزا کے بعد سزا ضروری ہے جب تم پوری بات سن لو گے تو تمہیں خود سزا کی ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا سزا کے بعد بھی تمہاری ملازمت بحال رہے گی یعنی تم اخبار میں کام کرتے رہو گے ممکن ہے تمہیں ترقی بھی مل جائے تاکہ تمہیں لوگوں سے ملنے ملانے کے زیادہ مواقع مل سکیں اس کے علاوہ تمہیں حکومت کے خلاف لکھنے کی بھی آزادی ہوگی۔

لیکن یہ سب کچھ کسی خوشی میں ---------_ کیا حکومت تبدیل ہو گئی ہے؟

"آخر میں نے پوچھ ہی لیا۔

''یہ اس لئے ہے کہ حکومت تبدیل نہیں ہوگی لیکن پہلے مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دو اب تمہیں اس ملک کی بقاء کے لے کام کرنا ہوگا، لیکن خفیہ طور پر بظاہر تمھارا روپ ایک انقلابی کا ہوگا اور تمہیں ان لوگوں سے میل ملاپ بڑھانا پڑے گا جو اس طرح کے نظریات رکھتے ہیں ان کے پروگراموں اور ان کے لیے زیر زمین کام کرنے والے لوگوں کے بارے میں معلوم کرنا ہوگا اور یہ سب اس لیے کہ ملک کو ہنگامہ آرائی اور تخریب سے بچایا جا سکے ظاہر ہے یہ ہر محب وطن کی طرح تم بھی تخریب کاری کے مخالف ہو گے اس ملک کو جسے بڑی قربانیاں کے بعد حاصل کیا گیا ہے صاف ستھرا کرنا چاہتے ہیں میں جانتا ہوں تم کمیونسٹ نہیں ہو تم جو کچھ سوچتے ہو اس ملک کی بھلائی اور

Scanned with CamScanner

بہتری کے لیے سوچتے ہو لیکن اس وقت تم بُری طرح پھنسے ہوئے ہو تمہیں اس بات کا اچھی طرح علم ہوگا کہ کسی کو بھی سزا دینے کے لیے ثبوت مہیا کرنا کوئی مشکل کام نہیں اور آج کل تو یہ کام اور بھی زیادہ آسان ہے کیوں کہ سرسری سماعت کی عدالت سے کوئی نہیں پوچھتا کہ فیصلہ کس بنیاد پر کیا گیا ہے اس لیے تمہیں جو پیشکش کی جا رہی ہے اس کے بارے میں میری ذاتی رائے ہے کہ اسے قبول کرلو اسے سمجھنے کی کوشش کرو اور یوں بھی ہمیشہ مقصد کو سامنے رکھنا چاہیے طریقہ کار کو نہیں تمہارا مقصد ایک اچھی زندگی ہے ایک باعزت اور خوشگوار زندگی اور آزادی اور اس پیشکش میں یہ سب کچھ تمہیں بڑی فراوانی سے ملے گا تم ذہین آدمی ہو دونوں میں تمہاری شہرت آسمان سے باتیں کرنے لگے گی۔

ذاتی طور پر مجھے تمہارے نظریاتی ہونے پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ یونیورسٹی کے زمانے تک میں خود اس بات پر پوری طرح یقین رکھتا تھا کہ آدمی کو نظریاتی ہونا چاہیے میں خود بھی کٹر قسم کا نظریاتی تھا لیکن بعد میں زندگی کے حقائق نے سب کچھ تبدیل کر دیا۔ آگے چل کر خود تمہیں بھی اندازہ ہو جائے گا کہ جوانی کے نظریات اور جذبات پر صرف ایک احمق ہی قائم رہ سکتا ہے زندگی ایک بار ملتی ہے اور اس لیے کہ اسے بہتر طور پر گزارا جائے اور بہتر زندگی کا حصول اس طرح ممکن نہیں جس طرح تم سوچ رہے ہو سمجھ رہے ہو نا''؟

''جی کچھ کچھ''۔

''ہاں ــــ کوشش کرو گے تو ہر بات پوری طرح سمجھ میں آ جائے گی یہ

زندگی کا عملی نظریہ ہے تم اسے ابھی پوری طرح نہیں سمجھ سکو گے کیونکہ اس کا ایک بڑا حصہ محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے یہ وہ باتیں ہیں جو میں نے گزشتہ چالیس سال کے نرم و گرم سہہ سہہ کر سیکھی ہیں لیکن میں اسے بہت واضح کر کے بیان کروں گا''۔ اس نے ایک اور سگریٹ اپنے لیے اور ایک میرے لیے جلائی اور گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

''بظاہر دنیا اس وقت دو نظاموں میں بٹی ہوئی ہے اور ان دو حصوں پر دو تنظیموں کی حکمرانی ہے سی آئی اے اور کے جی بی کون سا ملک کن کے ساتھ ہے اس کا اندازہ اس ملک کے لیے خریدے جانے والے اسلحے سے کیا جا سکتا ہے سی آئی اے اور کے جی بی اپنے اپنے حصے میں آنے والی دنیا کی تصویر سازی کرتے ہیں ان دونوں اداروں کا انداز فکر اور طریقہ کار معمولی ردو بدل کے باوجود یکساں ہے اس لیے یہ ادارے آپس میں کبھی براہ راست نہیں ٹکراتے شطرنج کے کھیل کی طرح ان کے مہرے ضرور آپس میں لڑتے ہیں لیکن اگر ان کے حصے میں آنے والی دنیا کے ریڈیو اخبارات اور ٹیلویژن دیکھے جائیں تو ایسا لگتا ہے کہ آج نہیں تو کل وہ ضرور ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی ہوگا دوسری جنگ عظیم میں ان کے اتحاد نے ہر بات کو واضح کر دیا ہے یہی ماڈل ہے جس پر ساری دنیا کے کامیاب لوگ عمل کرتے ہیں خود تم اپنے ہاں دیکھ لو ہمیشہ کچھ لوگ حکمران رہتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے خلاف بولتے اور بیان بازی کرتے ہیں لیکن اس سے آگے کبھی نہیں جاتے اور اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ان میں سے کوئی اس کھیل کے بنیادی اصول 'جیو اور جینے دو' کی خلاف ورزی نہیں کرتا میں اس سے زیادہ کھل کر بات نہیں کر سکتا تم خود بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو میں تمہیں صرف یہ کہوں گا کہ ہم لوگ اس کھیل میں صرف اس حد تک شریک ہو سکتے ہیں کہ اپنے

Scanned with CamScanner

بارے میں سوچیں دوسروں کے چھوڑے ہوئے ٹکڑے اٹھانے کی بجائے اپنا حصہ طلب کریں اوراس کے لیے میں تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہوں“۔

”لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آخر مجھے کرنا کیا ہوگا“۔

میں اسی طرف آ رہا ہوں اگر تم تیار ہو گئے ظاہر ہے تم تیار ہو جاؤ گے تو میں تمہیں کل صبح ہوم سیکریٹری صاحب کے پاس لے چلوں گا ان سے ملاقات کے بعد تمہیں سرسری سماعت کی ایک عدالت میں پیش کر دیا جائے گا جہاں سے تمہیں چار چھ ماہ کی سزا دلوائی جائے گی پھر اخباروں میں اس سزا کی مزمت ہوگی اور تمہیں رہا کرنے کے لیے بیان جاری کئے جائیں گے اورآخر کار تمہیں ایک سیاسی قیدی کے طور پر رہا کر دیا جائے گا لیکن اس دوران تمہارا اتنا بلڈاپ کر دیا جائے گا کہ تم نئی زندگی شروع کر سکو اب تم ایک قوم پرست انقلابی ہو گے تب تمہیں پتا چلے گا جنت کے وعدے اور جنت میں کیا فرق ہوتا ہے تم حقیقی معنوں میں اس ملک کے ایک آزاد شہری بن جاؤ گے جب تم اس دنیا میں داخل ہو گے تو تمہیں بہت سے جانے پہچانے چہرے بھی دکھائی دیں گے لیکن کوئی تم پر انگلی نہیں اٹھائے گا تمہارا کام صرف جذبے سے کام کرنے والے حقیقی لوگوں تک پہنچنا اور اُن کی مدد کرنا ہوگا اور پھر ان کے بارے میں ہمیں بتانا ہوگا وہ بہت دیر تک پہلو بدل بدل کر دلائل دیتا رہا آخر زندگی گزرانے کے بارے میں طویل ترین تقریر ختم ہوگئی اور میری درخواست پر مجھے دو دن سوچنے کی مہلت بھی دے دی گئی لیکن جناب اسی رات مجھے وہاں سے نکال لیا گیا اور اب میں آپ کے سامنے ہوں اور میں نے یہاں تک پہنچنے کی ہر تفصیل سے آپ کو آگاہ کر دیا ہے آپ کا مسلسل انہماک اور خاموشی اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ آپ نے میری روداد غور سے سنی ہے میرے لیے یہی بہت ہے کیونکہ مجھے مکمل احساس ہوا ہے کہ فیصلہ

آپ کے ہاتھ میں نہیں وہ تو پہلے ہی ہو چکا ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی میں نے عدالت کو ہر چیز بتا دی کہ فرد خود جرم کے بڑھے جانے کی آواز مجھ تک نہ پہنچی اور میں نے اس تک رسائی کی ہر ممکن کوشش کی ہے میں یہی کر سکتا تھا کہ جس حد تک ممکن ہوا اپنے بیان میں ہر چیز کی وضاحت کر دوں اس کے بعد عدالت برخاست ہوگئی اور مجھے عدالت سے باہر نکال دیا گیا۔

”تو تمہیں کیا سزا دی گئی“؟

”کسے“؟

”تمہیں“

”مجھے“؟

”ہاں تمہیں“

”مجھے پتا نہیں“

”تم نے ان سے پوچھا بھی نہیں“؟

”کیا نہیں پوچھا“؟

”یہی کہ تمہیں کیا سزا دی گئی ہے“

”نہیں“

”تمہیں پوچھنا چاہیے“

”کیا؟“

”یہی۔ کہ تمہیں کیا سزا دی گئی ہے؟“

”کیوں“؟

”اس لیے کہ اب تم جیل میں ہو“

Scanned with CamScanner

''میں جیل میں ہوں''؟

''ہاں''

''تو میں کب نہیں تھا''؟

''جب تم یہاں نہیں تھے''

''میں یہاں کب نہیں تھا''؟

''جب تم ان کے ہاتھوں میں نہیں تھے''

''میں کب ان کے ہاتھوں میں نہیں تھا''؟

''جب۔۔۔۔۔۔

میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ مجھ سے اس طرح کی باتیں نہ کریں''

''کس طرح کی''؟

''یہ کہ میں آپ کے ہاتھوں میں نہیں تھا میں تو اب مجھے معلوم ہوا ہے میں ہمیشہ سے آپ کے شکنجے ہی میں تھا میں نے کبھی اس سے نکلنے کی کوشش بھی نہیں کی اور اب کبھی کروں گا بھی نہیں''۔

''کیوں''؟

''اس لئے اس لیے کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں''

''لیکن اگر۔۔۔۔۔۔!''

''لیکن اگر کچھ نہیں میں اب ایسی زندگی میں جانا چاہتا ہوں جہاں میں جہاں میں کم از کم اپنی چیخ کی آواز تو سن سکوں۔لیکن۔۔۔۔۔۔!''

''نہیں،بس،اب میں کچھ نہیں کہنا چاہتا''۔

Scanned with CamScanner

انورسن رائے

13 نومبر 1950ء کو خیرپور ناے والی میں پیدا ہوئے۔ 1963ء سے کراچی میں مقیم ہیں۔ انورسن رائے فکشن رائیٹر شاعر اور مترجم ہیں وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی صحافت سے مسلک ہوئے وہ کراچی سے نکلنے والے کئی یادگار روزناموں کے بانی و مدیر رہے۔ انھوں نے اردو میں شام کی صحافت کو ایک نئے مقبول صاف ستھرے انداز سے متعارف کرایا۔

وہ کراچی سے شروع ہونے والی نثری شاعری کی تحریک کے ابتدائی لوگوں میں سے ہیں۔ انکا پہلا ناول چیخ مارچ 1987ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اس ناول کا ہندی میں بھی ترجمہ بھی ہو چکا ہے دوسرا ناول ذلتوں کے اسیر 1997ء میں فضلی سنز کراچی سے شائع ہوا۔ انھوں نے محمود درویش کی شاعری کو بھی اردو میں کیا ہے جو ایک الگ کتاب جغرافیہ کے معتوب کے نام سے شہرزاد سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ادونیس کی نظموں کا بھی مجموعہ نیو یارک کے لئے ایک قبر اور دوسری نظمیں کے نام سے سانجھ پبلی کیشن سے 2016ء میں شائع ہوئی۔

علم و ادب پبلشرز
دوکان نمبر 311، 3rd فلور، دی بک مال، اردو بازار کراچی۔
Ph: 0336-2620640, 0331-2952483

Rs 400/-

Scanned with CamScanner